

اخبار الرایہ

شمار نمبر 627

(25-ستمبر-2026)

(عربی سے ترجمہ)

شام دو منصوبوں کے درمیان: نارملائزیشن اور ریاست کا قیام 2
واشنگٹن کی نگاہیں بنزرت اور جبل الطارق کی طرف کیوں اٹھ رہی ہیں؟ 6
خلافتِ راشدہ واپس آنے والی ہے، تاکہ دنیا بھر میں خیر و بھلائی پھیلائے 12
ہماری خلافت کے منہدم ہونے کے بعد سے، ہماری حالت پر افسوس ہے! 15
حزب التحریر / ولایت تر کیہ: "خاندانی نظام، آنے والی نسلوں اور معاشرے کی حفاظت صرف اسلام کے ذریعے ہی ممکن ہے" 16
یمن کا مغربی ساحل: پروپیگنڈے اور حقیقی مقاصد کے درمیان! 17
کویت میں مشترکہ خلیجی ملٹری کمانڈ: محرکات اور مقاصد 21
امریکہ کے تسلط کو مسترد کرو اور اپنے کٹھ پتلی حکمرانوں کو مسترد کرو 24
امریکی مڈٹرم انتخابات کے نتائج کا تجزیہ 26
سرمایہ دارانہ نظام بحران پیدا کر رہا ہے اور اسلام کے نظام کے سوا کوئی راستہ نہیں 30
مصری حکومت اور اس کی اسلام کے خلاف جنگ 35
تونس کی حکومت طاقت کے ذریعے، تونس میں امریکہ کی فوجی موجودگی کے خلاف مظاہرے کو روک رہی ہے 39
اے افواج! کیا حکمرانوں سے امید چھوڑ دینے کے بعد ہم آپ سے بھی امید چھوڑ دیں؟! 40

امت کے لیے نجات اور چھٹکارے کا کوئی راستہ نہیں مگر یہ کہ اپنے علاقوں سے استعمار کا اثر و رسوخ ختم کیا جائے، اور ایک ایسے خلیفہ کی بیعت کی جائے جو انہی میں سے ہو، اس کا غم امت کا غم ہو، اس کا کام امت کی نصرت ہو اور وہ اس کے مفادات، علاقوں اور دین کی حفاظت کی نگہبانی کرے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لَا تَجِدُ قَوْماً يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءهُمْ أَوْ أَبْنَاءهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُوْلَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ أُوْلَئِكَ حِزْبُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ "آپ ان لوگوں کو جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، کبھی ایسا نہ پائیں گے کہ وہ ان لوگوں سے محبت رکھتے ہوں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی، خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کا کنبہ۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت کر دیا ہے اور اپنے روحانی فیض سے ان کی تائید کی ہے، اور وہ انہیں ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ یہ اللہ کا گروہ ہیں۔ خبردار! یقیناً اللہ کا گروہ ہی فلاح پانے والا ہے"۔ (سورۃ المجادلہ: 22)

اداریہ

شام دو منصوبوں کے درمیان: نارملائزیشن اور ریاست کا قیام

تحریر: استاد عبدالکریم جمعہ

(ترجمہ)

جنوبی شام میں یہودی وجود کی دراندازی، اس کے ساتھ ہونے والے حملے اور نئے فوجی حقائق کا مسلط کیا جانا محض عارضی سکیورٹی پیش رفت نہیں ہیں۔ ان اقدامات کو عارضی سمجھوتوں سے قابو میں نہیں لایا جا سکتا، نہ ہی سیاسی مفادات کے حساب کتاب سے نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ اصل حملے سے بھی زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ اس سے نمٹنے کا طریقہ کار سیاسی سمجھوتے کے راستے پر ڈال دیا جائے۔ یوں اس وجود کے ساتھ نارملائزیشن کو "سیاسی حقیقت پسندی" یا "استحکام کی ضرورت" کے نام پر ایک آپشن بنا دیا جائے جو بابرکت سرزمین پر قابض ہے، مقدسات کی بے حرمتی کرتا ہے اور ملک کے احترام کو پامال کرتا ہے! یہاں یہ بات سمجھنا ضروری ہے کہ یہ معاملہ دو ریاستوں کے درمیان سفارتی تعلقات کا ہے اور نہ ہی سرحدی تنازع ہے جسے باہمی مراعات سے حل کیا جا سکے۔ بلکہ یہ بقا کی جنگ کا معاملہ ہے اور خطے میں یہودی وجود کے توسیعی منصوبے کا سوال ہے، نیز اس منصوبے میں شام کی حیثیت کا معاملہ ہے۔

جو وجود اب تک شامی جولان پر قابض ہے، شام پر مسلسل حملے کر رہا ہے اور فلسطین میں آبادکاری اور زبردستی انخلا کی پالیسیوں پر عمل پیرا ہے، اسے علاقائی استحکام کی مساوات میں کوئی نارمل فریق نہیں مانا جا سکتا۔ جب تک اس تنازع کی وجوہات قائم ہیں—جو کہ بنیادی طور پر بقا کا تنازع ہے—تب تک ایسا ممکن نہیں ہے۔ ریاستوں کے باہمی تعلقات اس نظریے اور فکری مرجع سے الگ نہیں ہو سکتے جس پر ریاست قائم ہوتی ہے اور جو اس کی پالیسی کو منظم کرتا ہے۔ اسلام میں حکومت محض طاقت کے توازن کے مطابق مفادات کی دیکھ بھال کا نام نہیں ہے، اور نہ ہی یہ بین الاقوامی حالات کے تحت مسلط کردہ سمجھوتوں کا مجموعہ ہے۔ بلکہ یہ ایک شرعی ذمہ داری ہے جو اسلامی احکام کے مطابق امت کے امور کی دیکھ بھال سے تعلق رکھتی ہے۔

لہٰذا تنازع کی نوعیت اور اس سے نمٹنے کے شرعی احکام کو نظر انداز کرتے ہوئے مسلسل حملوں کو نارملائزیشن کا ذریعہ بنانا، اس فکری مرجع پر سوالات کھڑے کرتا ہے جو سیاسی فیصلے کو کنٹرول کرتا ہے۔ یہ اس بنیاد پر بھی سوال اٹھاتا ہے جس پر خارجہ تعلقات استوار کیے جاتے ہیں۔ جنوبی شام میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ فلسطین سے الگ نہیں ہے۔ بلادِ شام کی جیو پولیٹکس اور صیہونی منصوبے کی نوعیت شام اور یہودی وجود کی پیش رفت کو ایک ہی علاقائی منظرنامے کی جڑی ہوئی کڑیاں بناتی ہیں۔ فلسطین میں جاری قبضہ، آبادکاری اور زبردستی انخلا، اور جنوبی شام میں دراندازی اور نئے فوجی حقائق کا مسلط کیا جانا، خطے میں توسیع پسندی اور تسلط کے منصوبے کے تسلسل کو بے نقاب کرتا ہے۔ اس لیے ان مسائل کو الگ الگ قومی فائلوں کے طور پر دیکھنا چیلنج کی نوعیت کی ادھوری سمجھ پیدا کرتا ہے۔ اسی طرح ان مسائل کو محض سکیورٹی سمجھوتوں یا سیاسی معاہدوں تک محدود کرنا ان کی حقیقی جڑوں سے آنکھیں چرانا ہے۔

یہیں سے نارملائزیشن کی کوشش کی سنگینی سامنے آتی ہے۔ جب نارملائزیشن ایک سیاسی مقصد بن جاتی ہے، تو فلسطین کے معاملے اور شام پر حملوں کو نظر انداز کرنا نئے تعلقات کا حصہ بن جاتا ہے۔ معاہدے اس کے اسباب کا علاج کرنے کے بجائے غاصبانہ قبضے کی حقیقت کو قبول کرنے کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ اسی لیے نارملائزیشن کے بارے میں موقف اس شرعی تصور سے جدا نہیں ہو سکتا جو ریاستوں اور وجودوں کے ساتھ تعلقات کی نوعیت کو متعین کرتا ہے، اور نہ ہی ان شرعی احکام سے الگ ہو سکتا ہے جو امن و جنگ میں ان تعلقات کو منظم کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے صیہونی توسیعی منصوبے کے ساتھ تنازع کوئی جذباتی کشمکش نہیں ہے اور نہ ہی یہ محض جنگ کی دعوت ہے۔ بلکہ یہ غاصبانہ قبضے اور امت کے حقوق کے درمیان ایک سیاسی اور تاریخی تصادم ہے۔ یہ غاصب وجود کے توسیعی و تسلط پسندانہ منصوبے اور اپنے مقدسات، اپنی سرزمین اور اپنے رب کی شریعت کو نافذ کرنے کے امت کے حق کے درمیان تصادم ہے۔

جب تک اس تنازع کی وجوہات قائم ہیں—جو کہ بنیادی طور پر بقا کا تنازع ہے نہ کہ سرحدی تنازع— محض معاہدوں کے ذریعے اس کے خاتمے کی بات کرنا حقیقت سے دور ہے۔ حالات اور مراحل بدل سکتے ہیں، لیکن اس تنازع کا حل اسے چھوٹا دکھانے، اس کا نام بدلنے یا اس کے تقاضوں کو ملتوی کرنے سے ممکن نہیں ہے۔ اس کا حل اس کی نوعیت کو سمجھنے اور ایسا سیاسی تصور اختیار کرنے میں ہے جو قومی حدود کے بجائے عقیدے کی بنیاد پر اس سے نمٹنے کا راستہ متعین کرے۔

مومن اپنے ایمان اور امت کے امور کے بارے میں اپنے موقف کے درمیان تفریق نہیں کرتا۔ وہ اپنے انفرادی معاملے میں شریعت کو شامل اور نظامِ حکومت و سیاست سے غائب نہیں رکھتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ **وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْراً أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ** ﴾ "اور کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں تو ان کے لیے اپنے معاملے میں کوئی اختیار باقی رہے۔" [سورۃ الاحزاب: آیت 36]۔ اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ **فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ** ﴾ "پس نہیں! آپ کے رب کی قسم، وہ ہر گز مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں۔" [سورۃ النساء: 65]

یہ آیات ہمیں اس بنیادی سوال کا جواب دیتی ہیں کہ امت کی سیاسی زندگی کس فکری مرجع پر قائم ہونی چاہیے؟ اور وہ کون سا فریم ورک ہے جس میں اس کے امور منظم ہوں، اور جس کے ذریعے اس کے اندرونی و بیرونی تعلقات چلائے جائیں، تاکہ جنگ، امن اور نارملائزیشن جیسے مسائل پر اس کے مواقف کا تعین ہو سکے؟

امت کی موجودہ ابتر حالت محض عسکری کمزوری یا سیاسی انتشار کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ یہ ایک جامع آئیڈیالوجی پر مبنی سیاسی منصوبے کی عدم موجودگی اور حکومت و سیاست کے امور میں اسلامی مرجعیت کے پیچھے ہٹ جانے سے بھی جڑی ہوئی ہے۔

اس بنا پر، شام کے حالات کا علاج اور فلسطین کے مستقبل پر غور و فکر محض اتحاد بدلنے یا بیرونی ضمانتوں کی تلاش تک محدود نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ اس کے لیے سیاسی نظام کی اصل اور اس کی بنیاد پر نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔ معاملہ صرف افراد کو بدلنے یا اداروں کی دوبارہ ترتیب کا نہیں ہے، بلکہ یہ اس ریاست کی نوعیت کا سوال ہے جو امت پر حکومت کرتی ہے، اس بنیاد کا سوال ہے جس سے اس کے قوانین و پالیسیاں نکلتی ہیں، اور اس مقصد کا سوال ہے جس کے فریم ورک میں امت کے امور منظم ہوتے ہیں۔

چنانچہ اللہ کی شریعت کا نافذ کرنا اور اسلام کی بنیاد پر ریاست کا قیام اسلامی سیاسی تصور کا بنیادی محور ہے۔ اسلام محض انفرادی عبادات اور شعائر کا نام نہیں ہے، بلکہ یہ ایک ایسا دین ہے جس میں معاشرے، حکومت اور بین الاقوامی تعلقات کو منظم کرنے کے احکام شامل ہیں۔ ریاست کے قیام کا مطلب ایک ایسے سیاسی وجود اور حکومتی نظام کا ہونا ہے جو شرعی احکام کو نافذ کرے، لوگوں کے امور کی دیکھ بھال کرے، اندرونی و بیرونی پالیسی کو اسلامی احکام کے مطابق چلائے، اور امت کے تحفظ، اس کے مفادات کی نگہبانی اور اس کے پیغام کو پہنچانے کی ذمہ داری اٹھائے۔

شام اور فلسطین کو درپیش بنیادی مسئلہ محض بیرونی حملوں تک محدود نہیں ہے، بلکہ یہ اس سیاسی منصوبے کی عدم موجودگی تک پھیلا ہوا ہے جس کے فریم ورک میں امت کے مسائل منظم ہوتے ہیں۔ اسی لیے یہودی وجود کے ساتھ نارملائزیشن کو رد کرنا ایک ایسے جامع تصور کا حصہ ہونا چاہیے جو صرف ردِ عمل دکھانے کے بجائے امت کی سیاسی بیداریا کی اصل بنیاد کی تلاش تک جائے۔ مقصد صرف موجودہ حالات کو مسترد کرنا نہیں ہے، بلکہ ایک ایسے منصوبے کی طرف قدم بڑھانا ہے جس میں اسلامی احکام حکومت و قانون سازی کا فکری مرجع ہوں، اور ریاست وہ سیاسی فریم ورک ہو جس کے ذریعے یہ مرجعیت امت کی زندگی میں عملی صورت اختیار کرے۔

یہیں سے اللہ کی شریعت کو نافذ کرنے اور اسلام کے منصوبے کی حامل ریاست قائم کرنے کا وجوب واضح ہوتا ہے، جو مسلمانوں کے امور کی دیکھ بھال کرے اور ان کی صلاحیتوں کو ایک جامع سیاسی وجود میں دوبارہ متحد کرے۔ امت محض اپنے بحرانوں کی نشاندہی کرنے سے اپنا کردار دوبارہ حاصل نہیں کر سکتی، بلکہ اپنے سیاسی منصوبے کو اختیار کرنے اور اپنے عقیدے و دینی احکام کی بنیاد پر کھڑے ہونے سے ہی اپنا مقام واپس پا سکتی ہے۔

اہم مضمون

واشنگٹن کی نگاہیں بنزرت اور جبل الطارق کی طرف کیوں اٹھ رہی ہیں؟

تحریر: انجینئر وسام الاطرش

(ترجمہ)

اپریل 2026ء میں امریکی تحقیقی ادارے "سٹمسن سینٹر" (Stimson Center) کی شائع کردہ ایک تجزیاتی رپورٹ میں، جس کا عنوان "امریکا کے لیے تیونس کی اسٹریٹجک اہمیت کا از سر نو جائزہ" تھا، سابق امریکی سفیر جوئی ہوڈ (Joey Hood) نے ایک ایسا تجزیہ پیش کیا جو امریکا کے اسٹریٹجک نقطہ نظر کی عکاسی کرتا ہے۔ وہ اس رپورٹ میں یہ خاکہ پیش کرتے ہیں کہ امریکا کے مخالفین، یعنی ایران اور انتہا پسند تنظیمیں، ہر اس میدان میں اپنا نفوذ و اثر بڑھانے کی کوشش کر رہے ہیں جو انہیں موقع فراہم کرتا ہے؛ بالخصوص وہ ممالک جہاں تعلیم کا معیار بلند ہے اور جو جغرافیائی لحاظ سے اہم اسٹریٹجک چوک پوائنٹس (choke points) کے قریب واقع ہیں۔

وہ اس تناظر میں رومل کی افریقی مہم میں ہٹلر کے تیونس پر مضبوطی سے جمے رہنے کے فیصلے کو بطورِ سنگِ بنیاد یاد کرتے ہیں، اور اس بات کا بھی ذکر کرتے ہیں کہ روزویلٹ نے افریقہ میں نازیت کے خلاف امریکی فوج کے پہلے مقابلے کے لیے تیونس ہی کا انتخاب کیا تھا۔ اس سے وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ تیونس تاریخ کے ہر دور میں ان طاقتوں اور سلطنتوں کی توجہ کا مرکز رہا ہے جو اسے افریقہ میں ایک پیش قدمی کا پل بنانا چاہتی تھیں۔

یہ تجزیہ پینٹاگون کے بڑے دفاعی ٹھیکیداروں کی مالی معاونت سے چلنے والے ادارے کی طرف سے محض ماضی کی یاد دہانی نہیں ہے، بلکہ یہ شمالی افریقہ میں جاری تبدیلیوں کو سمجھنے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ یہاں امریکا کے عسکری تخمینے، یورپ کی جہاز رانی اور توانائی کی سیکیورٹی، اور بندرگاہوں، بنیادی ڈھانچے اور سپلائی چینز پر بین الاقوامی مقابلہ بازی اپس میں ملتے ہیں۔

بنزرت امریکا کے عسکری تخمینوں میں

بنزرت، جو 1963ء میں فرانسیسی افواج کے انخلا سے قبل بحیرہ روم میں فرانس کے اہم ترین بحری اڈوں میں سے ایک تھی، اپنی اسٹریٹجک اہمیت کبھی نہیں کھو سکی۔ آج اس کے بارے میں امریکی دلچسپی کا دوبارہ پیدا ہونا بحری تخمینوں میں جغرافیائی موقع و محل کی بنیادی اہمیت کی واپسی کو ظاہر کرتا ہے، لیکن اب نئے وسائل اور چیلنجوں کے ساتھ، جن میں بین الاقوامی آبنائے ہرمز کے بحران کے اثرات سب سے نمایاں ہیں۔

جون 2026ء میں افریقہ میں امریکی بحری افواج کے کمانڈر ایڈمرل جارج وائکوف (George Wikoff) نے بنزرت کے بحری اڈے کا دورہ کیا اور تیونس کی بحریہ اور اسپیشل فورسز کی مشقوں کا معائنہ کیا۔ انہوں نے میری ٹائم ایکسی لینس سینٹر (Maritime Center of Excellence) کا بھی دورہ کیا جسے امریکی نیول فسیلیٹیز انجینئرنگ کمانڈ کے طے کردہ معاہدوں کے تحت مکمل کیا جا رہا ہے۔ یہ مرکز بحری کمانڈوز اور اسپیشل آپریشنز کی تربیت کے لیے مخصوص ہے اور اس بات کا قوی امکان ہے کہ یہ کثیر القومی مشترکہ تربیت کا علاقائی پلیٹ فارم بن جائے۔

ستمبر میں تیونس نے امریکی افریقی کمانڈ (AFRICOM) اور چھٹے بحری بیڑے (Sixth Fleet) کی زیرِ سرپرستی "فینکس ایکسپریس 2026" (Phoenix Express 2026) مشقوں کی میزبانی کی، جن میں امریکی، یورپی اور افریقی افواج نے حصہ لیا۔ ان مشقوں میں فوری ڈیٹا کے تبادلے اور بحری شعبے کی مشترکہ عملیاتی تصویر قائم کرنے کے لیے علاقائی بحری آپریشنز سینٹرز پر انحصار کیا گیا، اور ساتھ ہی جہازوں کی تلاشی اور انہیں روکنے کی تدابیر کی مشقیں بھی کی گئیں۔ نیز خودکار و بغیر پائلٹ کے بحری نظاموں (unmanned maritime systems) کا استعمال بھی دیکھا گیا، جو پیش رفتہ مراقبت (surveillance)، جاسوسی اور پیش رفتہ بحری آگاہی (maritime domain awareness) کی ٹیکنالوجیز کی جانب تعاون کی منتقلی کی نشاندہی کرتا ہے۔ ان پیش رفتوں کی اہمیت اس بات سے واضح ہوتی ہے کہ ان کا تعلق چھٹے بحری بیڑے سے ہے، جو یورپ، بحیرہ روم اور افریقہ کے سمندری خطے میں امریکی بحری آپریشنز کا ذمہ دار ہے، جس سے جہاز رانی کی نگرانی اور سمندری راہداریوں کی حفاظت سے متعلق مقامی صلاحیتوں کو امریکی نظام میں مدغم کرنے کی کوشش کا اظہار ہوتا ہے۔

جبل الطارق: اٹلانٹک کا گیٹ وے اور نفوذ کے حساب کتاب

اگر بنزرت بحیرہ روم کے مشرقی اور مغربی حصوں کے درمیان ایک انتہائی حساس نقطے پر واقع ہے، تو جبل الطارق اٹلانٹک کی طرف اس کا قدرتی مغربی دروازہ ہے۔ امریکا اس خطے میں اپنی موجودگی کے لیے اسپین میں قائم ایک اہم عسکری نیٹ ورک پر انحصار کرتا ہے، جن میں سب سے نمایاں "روٹا" (Rota) کا بحری اڈا ہے جو ایجیس (Aegis) سسٹم سے لیس امریکی تباہ کن بحری جہازوں کی میزبانی کرتا ہے، اور "مورون" (Morón) کا فضائی اڈا ہے جو عسکری تعاون اور فورسز کی تعیناتی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہ تمام تر ترتیبات اٹلانٹک اور بحیرہ روم کے درمیان امریکی تعیناتی کے نیٹ ورک کے تحت نیپلز (Naples) میں قائم چھٹے بحری بیڑے کے صدر دفتر کے ساتھ مکمل ہم آہنگی میں کام کرتی ہیں۔

اس کے بالمقابل، برطانیہ جبل الطارق کو اپنے اہم ترین دباؤ کے حربے کے طور پر مضبوطی سے تھامے ہوئے ہے اور وہاں اپنی عسکری و بحری موجودگی کو برقرار رکھے ہوئے ہے۔ جولائی 2019ء میں شام پر یورپی پابندیوں کی خلاف ورزی کے شبہے میں رائل میرینز کی شرکت سے ایک ایرانی تیل کے ٹینکر کو حراست میں لیے جانے کے واقعے نے اس مقام کی اسٹریٹجک اہمیت اور نفوذ و اثر کے لیے بین الاقوامی کشمکش کی حقیقت کو واضح کر دیا تھا۔

تیونس اور مراکش: روایتی عسکری تعاون سے آگے بڑھتی ہوئی شراکت داریاں

اس تناظر میں مراکش اور تیونس کا مقام نیٹو سے باہر امریکا کے دو اہم غیر نیٹو اتحادیوں کے طور پر ابھرتا ہے، کیونکہ مراکش نے 2004ء میں اور تیونس نے 2015ء میں یہ حیثیت حاصل کی تھی۔ یہ حیثیت عسکری تعاون میں مشروط مراعات فراہم کرتی ہے، اگرچہ اس میں معاہدے کی دفعہ 5 کے تحت اجتماعی دفاع کی ضمانت شامل نہیں ہے۔

امریکہ، جو اب دنیا کی قیادت کے بوجھ کو تنہا اٹھانے کی صلاحیت نہیں رکھتا، ان دو ممالک کے ساتھ پیش رفتہ شراکت داری قائم کرنے کی کوشش میں ہے جو دو انتہائی اہم جغرافیائی راستوں پر واقع ہیں: مراکش بحیرہ روم کے اٹلانٹک داخلے کے مقام اور آبنائے جبل الطارق پر، اور تیونس آبنائے صقلیہ (Strait of Sicily) پر، جو بحیرہ روم کے مشرقی اور مغربی دونوں بیسنوں (basins) کو الگ کرتی ہے۔ یہ دونوں مقامات شراکت داری کے ایسے نیٹ ورک میں ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں جو بحری موجودگی، معلومات کے تبادلے، اور مواصلات و سپلائی لائنوں کے تحفظ کو مضبوط بناتا ہے۔ یہ طریقہ کار امریکا کے نقطہ نظر میں اس تبدیلی کی عکاسی کرتا ہے کہ وہ براہِ راست عسکری موجودگی کا بوجھ تنہا اٹھانے کے بجائے علاقائی شرکاء کے نیٹ ورک کو وسعت دے اور ان پر سیکیورٹی و استحکام کی ذمہ داریاں تقسیم کرے۔

جوئی ہوڈ کی تجزیاتی رپورٹ اس اسٹریٹجک نقطہ نظر میں ایک مزید پہلو کا انکشاف کرتی ہے، کیونکہ وہ نائجر، مالی اور برکینا فاسو کی افواج کو تربیت دینے، اور افریقی شیر (African Lion) نامی مشقوں میں انہیں مزید وسیع پیمانے پر شامل کرنے کے لیے تیونس کی تنصیبات، بالخصوص "بن غیلوف" سینٹر کو استعمال کرنے کی تجویز پیش کرتی ہے، جبکہ ساتھ ہی تیونس کی ہوائی نقل و حمل کی صلاحیتوں سے بھی فائدہ اٹھایا جائے۔ اس طرح تیونس، نائجر کے ایک متبادل پلیٹ فارم کے طور پر تربیت، عسکری امداد اور تجربات کی منتقلی کے لیے سامنے آتا ہے، جس سے امریکا کو وسیع عسکری تعیناتی کے بغیر روس کے نفوذ و اثر کا مقابلہ کرنے کا موقع ملتا ہے۔ نومبر 2026ء میں میجر جنرل میتھیو براؤن (Matthew Brown) کے بن غیلوف کے دورے کے موقع پر امریکی سفارت خانے کا جاری کردہ بیان اس رجحان کو مزید تقویت دیتا ہے، جہاں تیونس کی اس صلاحیت کو بڑھانے پر واضح طور پر بات کی گئی کہ وہ "علاقائی سطح پر سیکیورٹی کا برآمد کنندہ" بن سکے۔

جہاں تک مراکش کا تعلق ہے، اس کے ساتھ تعاون اس نیٹ ورک میں ایک اور عمل کی نشاندہی کرتا ہے۔ اکتوبر 2026ء میں امریکی فوج کی کانفرنس کے دوران میجر جنرل براؤن کے بیانات میں اعلان کیا گیا کہ بہار 2027ء میں ڈرون مخالف ٹیکنالوجی کے تجربات اور عسکری تنصیبات و افواج کی حفاظت کے لیے ایک امریکی سرگرمی کی میزبانی کے لیے مراکش کے شہر "طانطان" کا انتخاب کیا گیا ہے۔ یہ عمل کثیر المجال تربیتی و تجرباتی مرکز کے منصوبے سے مکمل طور پر مطابقت رکھتا ہے، جو مراکش کو حقیقی عملیاتی حالات میں عسکری ٹیکنالوجی کی آزمائش اور اس کی ترقی کے لیے ایک میدان بنا دیتا ہے۔

الجزائر کو اسٹریٹجک طور پر گھیرنے کی کوششوں کے متوازی، تیونس (2020–2030ء) اور مراکش (2026–2036ء) کے ساتھ امریکی دفاعی تعاون کے دو روڈ میپس کے ذریعے اس رجحان کو تقویت مل رہی ہے، جو طویل المدتی عسکری شراکت داری کی بنیاد رکھتے ہیں۔ یوں تیونس میں تربیت و عسکری امداد، مراکش میں ٹیکنیکی تجربات، اور ساحل (Sahel) کے ممالک تک اس کی توسیعات کے درمیان ذمہ داریاں تقسیم ہو جاتی ہیں۔ اس صورتِ حال نے الجزائر کو اس کے افریقی عمق میں بڑھتے ہوئے سیکیورٹی چیلنجوں کے سامنے لا کھڑا کیا ہے، جس نے اسے اپنے روایتی امور سے ہٹ کر فوج کے کردار کو وسعت دینے پر مجبور کیا، حتیٰ کہ نائجر میں بھی اس کے لیے ذمہ داریاں طے کی گئیں، اور یہ تھکا نے کے عمل کا پہلا قدم ہے۔

تجارتی راہداری سے توانائی کی رگوں تک

ان مقامات کی اہمیت محض جہازوں اور بحری بیڑوں کی نقل و حرکت تک محدود نہیں ہے، بلکہ بحیرہ روم افریقی توانائی کو یورپ منتقل کرنے کے لیے ایک اسٹریٹجک شریان بھی بن چکا ہے۔ روس یوکرین جنگ کے بعد، اسپین اور اٹلی کی پائپ لائنوں کے ذریعے الجزائر کی گیس پر یورپ کا انحصار مزید بڑھ گیا، جن میں تیونس سے گزرنے والی "ٹرانسمیڈ" (Transmed) لائن بھی شامل ہے۔

اس تناظر میں نائجیریا کی گیس یورپ منتقل کرنے کے دو خاکے نمایاں ہوتے ہیں: نائجر اور الجزائر کے ذریعے صحرائے اعظم سے گزرنے والی پائپ لائن کا منصوبہ، اور مغربِ افریقہ کے ممالک کے ذریعے نائجیریا-مراکش افریقی-اٹلانٹک پائپ لائن کا منصوبہ جو مراکش تک پہنچتا ہے۔ ان میں تیونس اور اٹلی کے درمیان "ایلمیڈ" (ELMED) کا برقی ربط اور گرین ہائیڈروجن (green hydrogen) کے منصوبے بھی شامل ہو جاتے ہیں۔

اس طرح دو اسٹریٹجک دائرے ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں: ایک تجارتی و بحری راہداری جو نہر سویز سے بنزرت اور جبل الطارق کے ذریعے اٹلانٹک تک پھیلی ہوئی ہے، اور توانائی کی راہداریاں جو افریقہ کو پائپ لائنوں، زیرِ آب کیبلز (submarine cables) اور برآمدی بندرگاہوں کے ذریعے یورپ سے جوڑتی ہیں۔ 2022ء میں میڈرڈ میں ہونے والے نیٹو کے سربراہی اجلاس نے توانائی کی سیکیورٹی کو سائبر و ہائبرڈ خطرات اور اہم بنیادی ڈھانچے کے تحفظ سے جوڑ کر اس باہمی تعلق کی عکاسی کی تھی۔

نتیجہ: اسلامی مغرب بین الاقوامی کشمکش کے حاشیے پر نہیں ہے

بنزرت اور جبل الطارق اسلامی مغرب کے اسٹریٹجک جغرافیہ کے سر میں دو آنکھوں کی مانند ہیں؛ ایک آنکھ بحیرہ روم کے دل پر نظر رکھتی ہے، اور دوسری اس کے اٹلانٹک کے دروازے پر۔ تاریخ کی ایک عجیب مماثلت یہ ہے کہ یہ دونوں مقامات افریقہ کی اسلامی فتوحات کے آغاز ہی سے وابستہ رہے ہیں: بنزرت 45ھ میں معاویہ بن حدیج کے ہاتھوں فتح ہوئی، جبکہ طارق بن زیاد 92ھ میں جبل الطارق سے اندلس کی طرف برسرِپیکار ہوئے، اور اس خطے نے اسلامی ریاست کے عظیم تاریخی مراحل میں بحری مدد کا ایک بنیادی نقطہ تشکیل دیا، جن میں سے سب سے نمایاں قائد صلاح الدین ایوبی کا دورِ حکومت تھا۔

ان دونوں آنکھوں کے درمیان تجارت، توانائی اور بحری بیڑوں کی نقل و حرکت واضح ہوتی ہے، اور ایک ایسے تہذیبی وزن رکھنے والے خطے میں نفوذ و اثر کے توازن کا تعین ہوتا ہے جس کے پاس جغرافیائی موقع و محل، دولت اور انسانی

آبادی کی کوئی کمی نہیں ہے، بلکہ محض اس اسٹریٹجک فہم کی ضرورت ہے جو اسلام کے احکام سے منور ہو، اور ان تمام مقومات کو ایسی طاقت کے وسائل میں تبدیل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو جو شریعت کی بالادستی (السیادۃ) اور امت کے اقتدار کی مجسم عکاسی کرے۔

اسلام شمالی افریقہ کے عوام کو، ان کی سیاسی تقسیم کے باوجود، ایک ایسے عقیدے کے طور پر جوڑتا ہے جس سے ایک مکمل نظام زندگی جنم لیتا ہے۔ اس کے لیے ایک ایسی ریاست کی ضرورت ہے جو اسے اپنائے، نافذ کرے، اپنے شہریوں کے مفادات کی حفاظت کرے، اپنی خود مختاری اور سیکیورٹی کا تحفظ کرے، اور ان علاقوں کے درمیان اسٹریٹجک اتحاد اور تکمیل حاصل کرے جنہیں کافر مستعمر نے تقسیم کرنے کی کوشش کی۔ اور ہم سب کو اللہ کے اذن سے عنقریب نبوت کے نقشِ قدم پر خلافتِ راشدہ کے قیام کی کامل امید ہے: ﴿**وَعْدَ اللَّهِ لَا يُخْلِفُ اللَّهُ وَعْدَهُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ**﴾ "اللہ کا وعدہ ہے، اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔" (سورۃ الروم: آیت 6)۔

خلافتِ راشدہ واپس آنے والی ہے، تاکہ دنیا بھر میں خیر و بھلائی پھیلائے

آج کی دنیا کی قیادت کافر، فاسق اور ظالم ریاستیں کر رہی ہیں جو اپنے برے مفادات کو ہر اعتبار پر مقدم رکھتی ہیں۔ ان کے موقف اپنے اتحادیوں کے ساتھ بھی لمحہ بہ لمحہ بدلتے رہتے ہیں، اور یہ کسی ایسی بھلائی کے لیے نہیں ہوتا جو وہ دیکھتے ہوں بلکہ اس برائی کے لیے ہوتا ہے جو وہ پیدا کرتے ہیں۔ وہ پہلی جاہلیت کو دہرا رہے ہیں، بلکہ وہ جاہلیت سے بھی بدتر حالت کے زیادہ قریب ہیں!

اور جس طرح اس وقت فارس اور روم کو کنارکش کر دیا گیا تھا اور زمین اسلام کے نور سے روشن ہو گئی تھی، اسی طرح یہ خلافت بھی اللہ کے حکم سے واپس آنے والی ہے۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے:

(حَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِيعِ الْعَتَكِيُّ وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، كِلَاهُمَا عَنْ حَمَّادِ بْنِ زَيْدٍ، وَاللَّفْظُ لِقُتَيْبَةَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَبِي أَسْمَاءَ عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «إِنَّ اللَّهَ زَوَى لِيَ الْأَرْضَ فَرَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا وَإِنَّ أُمَّتِي سَيَبْلُغُ مُلْكُهَا مَا زُوِيَ لِي مِنْهَا..»)

(ہم سے ابو الربیع العتکی اور قتیبہ بن سعید دونوں نے حماد بن زید سے بیان کیا، اور الفاظ قتیبہ کے ہیں، ہم سے حماد نے ایوب سے، انہوں نے ابو قلابہ سے، انہوں نے ابو اسماء سے اور انہوں نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **« اللہ تعالی نے میرے لیے زمین کو سمیٹ دیا، پس میں نے اس کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھ لیا، اور یقیناً میری امت کی حکومت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک زمین کو میرے لیے سمیٹا گیا ہے...»**)۔

اور اس جبر و تسلط کی حکمرانی کے بعد، جس میں ہم زندگی بسر کر رہے ہیں، خلافتِ راشدہ دوبارہ قائم ہو گی اور اللہ قوی و عزیز کے حکم سے، اور پھر حزب التحریر کے نوجوانوں، یعنی سچے داعیانِ حق کے ہاتھوں دنیا بھر میں خیر و بھلائی پھیلائے

گی۔ امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(«... ثُمَّ تَكُونُ مُلْكاً جَبْرِيَّةً فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ» ثُمَّ سَكَتَ ﷺ)

(«...پھر جبر و تسلط کی حکمرانی ہو گی، پس وہ جب تک اللہ چاہے گا قائم رہے گی، پھر جب اللہ چاہے گا اسے اٹھالے گا، پھر نبوت کے نقشِ قدم پر خلافتِ راشدہ قائم ہو گی»، پھر آپ ﷺ خاموش ہو گئے)۔

اور دل و عقل کے بیمار لوگوں کا یہ کہنا ان حقائق کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا کہ:

﴿ غَرَّ هَؤُلَاءِ دِينُهُمْ ﴾ (ان لوگوں کو ان کے دین نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے) (سورۃ الأنفال:49)

کیونکہ ان جیسے لوگوں نے اس وقت بھی یہی کہا تھا جب رسول اللہ ﷺ نے فارس اور روم کے علاقوں تک اسلام کا اقتدار پھیلنے کی خوشخبری دی تھی۔ ابو الحسن نور الدین الہیثمی (متوفی:807ھ) کی کتاب "مجمع الزوائد" میں آیا ہے:

(... ثُمَّ مَشَوْا إِلَى الْخَنْدَقِ، فَقَالَ رسول الله ﷺ: «اذْهَبُوا بِنَا إِلَى سَلْمَانَ، وَإِذَا صَخْرَةٌ بَيْنَ يَدَيْهِ قَدْ ضَعُفَ عَنْهَا، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِأَصْحَابِهِ: دَعُونِي فَأَكُونَ أَوَّلَ مَنْ ضَرَبَهَا، فَقَالَ: بِسْمِ اللَّهِ، فَضَرَبَهَا فَوَقَعَتْ فِلْقَةٌ ثُلُثُهَا، فَقَالَ: اللَّهُ أَكْبَرُ، قُصُورُ الرُّومِ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ، ثُمَّ ضَرَبَ أُخْرَى فَوَقَعَتْ فِلْقَةٌ، فَقَالَ: اللَّهُ أَكْبَرُ قُصُورُ فَارِسَ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ»، فَقَالَ عِنْدَهَا الْمُنَافِقُونَ: نَحْنُ بِخَنْدَقٍ عَلَى أَنْفُسِنَا وَهُوَ يَعِدُنَا قُصُورَ فَارِسَ وَالرُّومِ. رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ، وَرِجَالُهُ رِجَالُ الصَّحِيحِ غَيْرَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ، وَنُعَيْمٍ الْعَنْبَرِيِّ، وَهُمَا ثِقَتَانِ)

(..."پھر وہ خندق کی طرف چلے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «ہمیں سلمان کے پاس لے چلو»، اور وہاں ان کے سامنے ایک چٹان تھی جس کے سامنے وہ عاجز آ چکے تھے، تو نبی کریم ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: «مجھے چھوڑو تا کہ میں پہلا شخص بنوں جو اس پر ضرب لگائے»، پس آپ ﷺ نے فرمایا: «بسم اللہ»، اور اس پر ضرب لگائی تو اس کا ایک تہائی ٹکڑا گر گیا، آپ ﷺ نے فرمایا: «اللہ اکبر، رب کعبہ کی قسم! روم کے محلات»، پھر آپ ﷺ نے دوسری ضرب لگائی تو ایک اور ٹکڑا گر گیا، آپ ﷺ نے فرمایا: «اللہ اکبر، رب کعبہ کی قسم! فارس کے محلات»، اس وقت منافقین نے کہا: ہم اپنی جانوں کے تحفظ کے لیے خندق کھود رہے ہیں اور یہ ہمیں فارس اور روم کے محلات کے وعدے

دے رہے ہیں! اسے طبرانی نے روایت کیا ہے، اور اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں سوائے عبد اللہ بن احمد بن حنبل اور نعیم العنبری کے، اور وہ دونوں ثقہ ہیں)۔

اور منافقین کی باتوں کے باوجود یہی کچھ ہوا اور سچ ثابت ہوا، کیونکہ صادق ومصدوق ﷺ کا فرمان ہی حقیقت ہے:

﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَى * إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى ﴾(اور وہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے، یہ تو بس وحی ہے جو نازل کی جاتی ہے)(سورۃ النجم:3-4)

اور اسی لیے خلافت از سرِ نو واپس آئے گی اور اسلام ان تمام علاقوں میں پھیل جائے گا جو اللہ سبحانہ وتعالی نے اپنے رسول ﷺ کے لیے سمیٹ دیے تھے:

﴿ وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ * بِنَصْرِ اللَّهِ يَنْصُرُ مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴾(اور اس دن مومنین اللہ کی نصرت سے خوش ہوں گے، وہ جس کی چاہتا ہے نصرت کرتا ہے اور وہ غالب، رحم کرنے والا ہے)(سورۃ الروم:4-5)

(حزب التحریر کے امیر، جلیل القدر عالم عطاء بن خلیل ابو الرشتہ کے جاری کردہ سوال کے جواب سے اقتباس)

ہماری خلافت کے منہدم ہونے کے بعد سے، ہماری حالت پر افسوس ہے!

سب سے زیادہ افسوسناک بات ہماری وہ حالت ہے جس میں ہم اس وقت سے ہیں جب سے کافر استعمار گروں نے ہماری خلافت کو منہدم کیا، ہمارے علاقوں کو درجنوں ریاستوں میں تقسیم کر دیا، اور ان میں سے ہر ایک پر ایک ایسا کٹھ پتلی حکمران مسلط کر دیا جو ان کے احکامات پر عمل کرتا ہے اور ان کے منصوبوں کو نافذ کرتا ہے۔

اس لیے ہمیں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ جب تک ہم ان کٹھ پتلی حکمرانوں کو سرنگوں کر کے خلافت قائم نہیں کرتے اور اپنے رب کی شریعت کو نافذ نہیں کرتے، اس وقت تک اس صورتحال سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں۔ ورنہ جب تک ہم خاموش رہیں گے، ہمارے دشمن ان ہی کے ذریعے ہم پر مسلط رہیں گے۔

اور اب حزب التحریر آپ کو، اے مسلمانو! اپنے ساتھ مل کر کام کرنے کی دعوت دیتا ہے، اور آپ کی افواج کو دعوت دیتا ہے کہ وہ نبوت کے نقشِ قدم پر خلافتِ راشدہ کے قیام کے لیے نصرت فراہم کریں، جو ان تمام لوگوں کو لگام دے گی جو آپ کو نقصان پہنچانے کی جرات کرتے ہیں۔

حزب التحریر / ولایت ترکیہ: "خاندانی نظام، آنے والی نسلوں اور معاشرے کی حفاظت صرف اسلام کے ذریعے ہی ممکن ہے"

حزب التحریر / ولایت ترکیہ نے "خاندانی نظام، آنے والی نسلوں اور معاشرے کی حفاظت صرف اسلام کے ذریعے ہی ممکن ہے" کے عنوان سے تتلیس ولایت کے شہر تتوان میں ایک کانفرنس کا انعقاد کیا، جو اس کی مہم "معاشرتی زلزلے اور ملبے تلے دبا معاشرہ" کے سلسلے کی ایک کڑی تھی۔

کانفرنس کی کارروائی کا آغاز تتوان میں "التغيير الجذري" میڈیا انسٹی ٹیوٹ کے نمائندے استاد محمود اق بولاک کے افتتاحی خطاب سے ہوا۔

اس کے بعد استاد رمزی اوزر نے خطاب کیا اور ان چیلنجوں پر روشنی ڈالی جن کا سامنا معاشرتی زوال کے ملبے تلے دبے خاندانوں کو ہے۔

اسی طرح ملا مصطفی ساقجی نے اپنے خطاب میں واضح کیا کہ خاندانی نظام اور نئی نسل کی حالتِ زار کے بگاڑ کی بنیاد اور اصل وجہ اسلام کے مخالف افکار ہیں۔

استاد عبد اللہ امام اوغلو نے خاندانی نظام، آنے والی نسلوں اور معاشرے کو ان معاشرتی زلزلوں کے پھیلائے ہوئے بگاڑ سے بچانے کے طریقوں پر بات کی، اور ان مسائل کا بنیادی حل پیش کیا۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ واحد علاج نبوت کے نقشِ قدم پر دوسری خلافتِ راشدہ کے سایہ تلے اسلامی نظامِ حکومت کا مکمل نفاذ ہے، جس کی بشارت ہمیں رسول اللہ ﷺ نے دی ہے۔

یمن کا مغربی ساحل: پروپیگنڈے اور حقیقی مقاصد کے درمیان!

تحریر: استاد ہمدان العمرانی—ولایہ یمن

(ترجمہ)

یمنی سرکاری افواج نے گزشتہ اکتوبر کے آغاز میں باب المندب کے علاقے 'ذوباب' اور 'کہبوب' کے پہاڑوں پر دوبارہ کنٹرول حاصل کر لیا تھا۔ حوثیوں کے اس علاقے پر قابض ہونے کے تقریباً ایک ماہ بعد یہ پیش قدمی "فجر یمن" نامی ایک فوجی آپریشن کے تحت کی گئی تھی۔ حکومت کے بقول اس آپریشن کا مقصد حوثیوں کے زیرِ تسلط ان علاقوں کو واپس لینا تھا جو حال ہی میں اس کے ہاتھ سے نکل گئے تھے۔ ان کے مطابق اس کارروائی کی حتمی منزل دارالحکومت صنعاء تک پہنچنا اور ریاستی اداروں کی بحالی تھا۔ یہ تمام پیش رفت یمن میں جاری مسلسل فوجی کشیدگی کے ماحول میں ہو رہی ہے۔ اپریل 2022ء میں اقوامِ متحدہ کے فائر بندی کے اعلان کے بعد قائم ہونے والے نسبتاً پرسکون دور کے ختم ہونے کے بعد سے یہ اب تک کا سب سے بڑا فوجی تصادم قرار دیا جا رہا ہے۔

اتوار 15 نومبر 2026ء کو جنوبی الکمالقہ بریگیڈ، شبوہ ڈیفنس فورسز، الصاعقہ بریگیڈ اور دیگر دستوں نے ساحلی علاقوں 'المضاربہ' اور 'رأس العارہ' سے پیچھے ہٹنے کا اعلان کیا۔ یہ فورسز 'خور عمیرہ' اور 'القیا' کے راستے عدن کی طرف منتقل ہو گئیں۔ اس انخلاء کے حوالے سے مقامی اور بین الاقوامی ذرائع ابلاغ کے بیانات میں واضح اختلاف دیکھا گیا۔ شایع الزندانی کی وزارت میں نئے تعینات شدہ وزیرِ اطلاعات سالم ثابت العولقی نے اسے فوجی نقل و حرکت کا نام دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ اس کا مقصد جنگی صلاحیت میں اضافہ، اہم علاقوں کو محفوظ بنانا اور رسد کی لائنوں کو مستحکم کرنا ہے۔ انہوں نے تعز شہر کا محاصرہ ختم کرنے کے لیے اس قدم کی اہمیت پر بھی زور دیا۔ انہوں نے مزید کہا کہ تمام محاذوں پر ملٹری اور سیکیورٹی دستے حاصل شدہ کامیابیوں کی حفاظت، ریاستی طاقت کی بحالی اور حوثی بغاوت کے خاتمے کے لیے ایک صف میں کھڑے ہیں۔ میدانِ جنگ کی تبدیلیاں ان کے عزم، تنظیم اور ثبات کو مزید مضبوط ہی کریں گی۔ اس کے برعکس یمنی ملٹری اور اسٹریٹجک ماہر بریگیڈیئر ثابت حسین صالح کی رائے میں یہ انخلاء ایک عسکری ناکامی ہے۔ اس کے نتیجے میں

حوثیوں کو میدانی، اسٹریٹجک اور اخلاقی فتوحات حاصل ہو سکتی ہیں۔ سچ یہ ہے کہ آج کا دن گزرے ہوئے کل سے کتنا ملتا جلتا ہے! یہ کوئی پہلا اسٹریٹیجک انخلاء یا نقل و حرکت نہیں ہے۔ اس سے پہلے بھی متعدد بار ایسے انخلاء ہو چکے ہیں جن کے دوران حوثیوں نے اپنے زیرِ اثر علاقوں میں توسیع کی ہے۔

دوسری طرف حوثیوں کے نقطہ نظر کے مطابق صنعاء کی 'سبأ نیوز ایجنسی نے اس واقعے کو "مغربی ساحل کی مکمل آزادی" اور اتحاد کی حمایتی فورسز کی شکست قرار دیا۔ ایجنسی نے وضاحت کی کہ یہ پیش قدمی المضاربہ کے علاقے میں 'خرز' کے محاذ پر ایک کامیاب فوجی گھراؤ کے نتیجے میں ممکن ہوئی، جس نے ان فورسز کو فرار ہونے پر مجبور کر دیا۔

خبر رساں ادارے 'رائٹرز' نے اس پیچھے ہٹنے کو سعودی عرب کی حمایت یافتہ فوجی مہم کا ایک بڑا دھچکا قرار دیا ہے۔ بلکہ یہ ساحل کو دوبارہ حاصل کرنے کے لیے چھ ہفتوں سے جاری جوابی حملے کے خاتمے کو ظاہر کرتا ہے۔ مغربی میڈیا نے باب المندب پر حوثیوں کے قبضے اور آبنائے ہرمز میں سمندری آمدورفت کو روکنے کی ایرانی کوششوں کو ایک دوسرے سے جوڑا ہے۔ ان کا ماننا ہے کہ یہ "دوہرا دباؤ" (Double pressure) خلیجی تیل پیدا کرنے والے ممالک کو نہر سویز کی طرف جانے والی اہم سمندری گزرگاہوں سے الگ تھلگ کر دیتا ہے۔ 'فرانس پریس' نیوز ایجنسی نے عسکری و سرکاری ذرائع کے حوالے سے بتایا کہ حوثی فورسز اب عدن شہر سے صرف 60 تا 80 کلومیٹر کے فاصلے پر موجود ہیں۔ اس صورتِ حال کے باعث سرکاری افواج شہر کے گرد مورچے بنانے اور خندقیں کھودنے پر مجبور ہو گئی ہیں۔ 'العربی الجدید' اور 'القدس العربی' اخبارات نے ملٹری ذرائع اور تجزیہ کاروں کے حوالے سے لکھا کہ 'ذوباب' اور 'باب المندب' میں موجود فورسز کو محاصرے کا شدید خطرہ لاحق تھا۔ لحج کے علاقوں 'خرز' اور 'خور عمیرہ' کی طرف حوثیوں کی پیش قدمی کی وجہ سے عدن سے آنے والی رسد کی لائنیں کٹنے کا خدشہ تھا۔

سعودی اور عرب اخبارات، مثلاً 'الجزیرہ' میں شائع ہونے والے تجزیوں نے اس انخلاء کی وجہ مقامی فورسز کے ڈھانچے میں موجود اندرونی اختلافات کو قرار دیا ہے۔ ان میں قیادت کی کثرت، لڑاکا دستوں میں کمزور ہم آہنگی، اور زیادہ باقاعدہ تنخواہیں پانے والے دوسرے دستوں کے مقابلے میں محاذوں سے بڑی تعداد میں افراد کی غیر حاضری شامل ہے۔ دوسری طرف، سرکاری اور جنوبی فورسز نیز سدرن ٹرانزیشنل کونسل کے میڈیا نے اسے ایک دفاعی حکمتِ عملی قرار دیا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ بنیادی ترجیح دارالحکومت عدن اور جنوبی اضلاع کو محفوظ بنانا، اور رأس العارہ اور المضاربہ میں دفاعی لائنوں کو دوبارہ منظم کرنا ہے۔ ساتھ ہی تعز شہر کا محاصرہ ختم کرنے کے لیے الوازعیہ اور کہبوب جیسے دیگر محاذوں پر

آپریشنز جاری رکھنے پر زور دیا گیا، جیسا کہ 'الجزیرہ ڈاٹ نیٹ' نے ذکر کیا ہے۔ جبکہ 'المخا سینٹر فار اسٹڈیز' کا کہنا ہے کہ یہ انخلاء اچانک اور سراسیمگی کے عالم میں ہوا، جس کی وجہ سے گرفتاریوں کے خوف سے مقامی لوگوں نے 'الخوخہ' کی طرف نقل مکانی کی۔ اس صورتِ حال نے یمنی حکومت کے دھڑوں اور اتحاد کے درمیان پوشیدہ سیاسی اختلافات کے وجود پر سوالات کھڑے کر دیے ہیں۔ برطانوی ویب سائٹ 'مڈل ایسٹ آئی' کے مطابق اس بات کا بھی خدشہ ہے کہ یہ انخلاء طاقت کی تقسیم کے زمینی واقعے کو مضبوط کرے گا اور تعز کا محاصرہ ختم کرنے کی امیدوں کو ختم کر دے گا۔

حزب التحریر کے امیر، جلیل القدر عالم عطاء بن خلیل ابو الرشتہ کی طرف سے 27 ستمبر 2026ء کو جاری کردہ سوال کے جواب "یمن میں ملٹری پیش رفت کے ابعاد" پر غور کرنے والا شخص دیکھ سکتا ہے کہ اس میں بیان کیا گیا تھا: "(یمن کے مغربی ساحل پر حوثیوں کے حملوں اور پورے ساحل پر ان کے تقریباً مکمل قبضے پر تدبر کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس کے باوجود نہ تو امریکہ عدن میں یمنی حکومت کی مدد کے لیے آگے بڑھتا ہے اور نہ ہی سعودی عرب، حالانکہ حوثیوں کے حملوں سے وہ خود بھی متاثر ہوئے ہیں... پس یہ تمام باتیں اس بات کی دلیل ہیں کہ یمن کے بیشتر مغربی ساحل پر حوثیوں کا قبضہ امریکی اور سعودی رضامندی سے ہے۔ اور بظاہر یہ قبضہ درج ذیل تین مقاصد سے باہر نہیں ہے: 1- یمن کی حکومت میں حوثیوں کو شریک کرنا اور حکومت میں ان کو بنیادی کردار دینا، اور پھر یمن میں انگریزوں کے ایجنٹوں کو تدریجاً حکومت سے الگ کرنا... 2- یہ اقدام ایران کی حکومت کو ترغیب دینے اور امریکہ کے بارے میں ان کے موقف میں لچک پیدا کرنے کی ایک تمہید ہے... 3- یہ ایک جنگجو کے لیے عارضی وقفے کی مانند ہے، کیونکہ امریکہ کو مڈٹرم انتخابات کا سامنا ہے...)"

ساحل سے سرکاری فورسز کے انخلاء سے دس دن پہلے ان انتخابات کے نتائج کا اعلان کیا گیا تھا۔ اور اب حوثیوں کا پھیلاؤ اور یمن کے سب سے اہم ساحلی پٹی پر ان کا مکمل کنٹرول جو باب المندب کی نگرانی کرتا ہے، بالکل واضح ہو چکا ہے۔ اس جوابِ سوال پر غور کرنے والا شخص یمن کے تمام معاملات میں بین الاقوامی دلچسپی اور وسیع بین الاقوامی مداخلت کی حقیقت کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔

یہ صورتِ حال یمن کے لوگوں پر اپنے مقامی اور علاقائی آلات کے ذریعے جاری امریکی اور برطانوی کشمکش کے شدید تصادم کو بے نقاب کرتی ہے۔ اور یہ کہ یمن کے لوگ طویل سالوں سے اس تصادم کا ایندھن بنے ہوئے ہیں اور شدید مصائب جھیل رہے ہیں۔ ان جنگوں کا نتیجہ جانوں کے ضیاع، خون ریزی، وسائل کی تباہی، اہل ایمان کے درمیان

فاصلوں میں اضافے، تفرقے کے پھیلاؤ اور ان کی قوت کو کمزور کرنے کے سوا کچھ نہیں نکلا، جو صرف کافر استعمار کی خدمت ہے! اس لیے یمن کے لیے ان آلات سے نجات حاصل کیے بغیر کوئی راستہ نہیں ہے جو ان متصادم استعمار کاروں کو باقی رہنے اور اپنا نفوذ و تسلط پھیلانے کا موقع فراہم کرتے ہیں۔ اور یہ کام صرف حزب التحریر کے ساتھ مل کر نبوت کے نقشِ قدم پر خلافتِ راشدہ کے قیام کی جدوجہد کے ذریعے ہی ممکن ہے، جس کا وعدہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿**وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ**﴾ (ترجمہ: "تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے، اللہ نے ان سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ زمین میں ان کو ضرور جانشینی (حکومت) عطا فرمائے گا") (سورۃ النور: 55)

اور جس کی خوشخبری رسول اللہ ﷺ نے دی ہے: «**ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةٌ عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ**» "پھر نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت قائم ہوگی" (أحمد)

ہم یمن کے عقل مند اور فہمیدہ لوگوں کو، جن کے ایمان، حکمت اور فقہ کی تعریف رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ہے، دعوت دیتے ہیں کہ وہ اللہ قوی و عزیز کے وعدے اور اس کے رسول ﷺ کی بشارت کو پورا کرنے کے لیے ہمارے ساتھ مل کر کام کریں، تاکہ ہم دونوں جہانوں میں کامراں ہو جائیں اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

کویت میں مشترکہ خلیجی ملٹری کمانڈ: محرکات اور مقاصد

تحریر: استاد احمد الخطوانی

(ترجمہ)

خلیج تعاون کونسل (GCC) کے رکن ممالک کے وزرائے دفاع کا اجلاس منگل، 10 نومبر 2026ء کو منامہ شہر میں منعقد ہوا۔ بحرین کے وزیرِ دفاعی امور اور موجودہ سیشن کے صدر لیفٹیننٹ جنرل عبداللہ بن حسن النعیمی کی صدارت میں ہونے والے اس اجلاس میں وزرائے دفاع نے ریاستِ کویت میں 'مشترکہ ملٹری کمانڈ' کے ایک ایڈوانسڈ ہیڈ کوارٹر کے باقاعدہ آغاز اور اس کے لیے مناسب افواج کی تخصیص کا اعلان کیا۔ یہ اقدام خلیج تعاون کونسل کی مشترکہ دفاعی کونسل کے 23ویں اجلاس میں طے پانے والے فیصلوں کے تحت کیا گیا ہے۔

خلیج تعاون کونسل کے سیکرٹری جنرل جاسم البدیوی نے اس بات پر زور دیا کہ مشترکہ فوجی عمل کو خلیجی حکمرانوں کی مکمل توجہ، سرپرستی اور حمایت حاصل ہے۔ انہوں نے خطے میں رونما ہونے والی تیزی سے بدلتی صورت حال کا ذکر کرتے ہوئے اسے "ایران کی ظالمانہ جارحیت" سے تعبیر کیا، جس نے ان کے بقول خلیجی ممالک کو نشانہ بنایا اور کئی شہری تنصیبات و بنیادی ڈھانچے (Infrastructure) کو نقصان پہنچایا۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے سعودی عرب پر حوثیوں کے حملوں کی شدید ترین الفاظ میں مذمت کی اور انہیں "غدارانہ حملے" قرار دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ حملے مقدس مقامات کو نشانہ بناتے ہیں، جو ان کی حرمت اور مسلمانوں کے ہاں ان کے مقام کی کھلم کھلا خلاف ورزی ہے اور سعودی عرب کی سلامتی و بالادستی (Sovereignty) پر ننگا حملہ ہے۔ انہوں نے مزید کہا: "ہم خلیجی ممالک کے مشترکہ مستقبل کے احساس اور اس پختہ موقف کی بنیاد پر کہ سعودی عرب کی سلامتی تمام خلیجی ریاستوں کی سلامتی کا ناقابلِ تنصیف حصہ ہے، اس بات کا اعادہ کرتے ہیں کہ خلیج تعاون کونسل کے ممالک سعودی عرب کے شانہ بشانہ ایک صف میں کھڑے ہیں، اس کے ساتھ مکمل یکجہتی کا اظہار کرتے ہیں اور اس کی سلامتی، استحکام، علاقائی سالمیت اور مقدس مقامات کے تحفظ کے لیے اٹھائے جانے والے ہر اقدام کی مکمل حمایت کرتے ہیں"۔

سعودی عرب کے وزیرِ دفاع نے کہا: "بحرین میں منعقد ہونے والا خلیج تعاون کونسل کی مشترکہ دفاعی کونسل کے 23ویں اجلاس کا انعقاد ہمارے ممالک کے درمیان باہمی ہمنوائی، تعاون اور ہم آہنگی کو جاری رکھنے کے مشترکہ عزم کی عکاسی

کرتا ہے، تاکہ اپنی سلامتی اور استحکام کو برقرار رکھنے کے لیے تمام تر چیلنجوں اور خطرات کا مقابلہ کرنے کے مقصد سے ہماری عسکری و دفاعی صلاحیتوں کو مضبوط بنایا جاسکے"۔

اجلاس میں کی جانے والی تمام تقریریں سعودی عرب کا دفاع کرتی تھیں اور ایران و حوثیوں کی مذمت پر مبنی تھیں۔ اس سے یہ واضح طور پر سمجھ آتا ہے کہ اس اقدام کے پیچھے سعودی عرب کھڑا ہے اور خود سعودی عرب کے پیچھے امریکہ کا ہاتھ ہے۔

اس مشترکہ عسکری کمانڈ کے لیے کویت کا انتخاب اس کے جغرافیائی موقع محل کی وجہ سے کیا گیا ہے، کیونکہ یہ خلیج کے شمال میں واقع ہے اور عراق و ایران کے قریب ہے۔ اس کے علاوہ کویت کا خلیجی زمینی سرحدوں سے براہِ راست رابطہ ہے اور وہاں ایک بڑا امریکی زمینی اڈا بھی موجود ہے، جہاں 13 ہزار سے زائد امریکی پیادہ (Infantry) اور میرینز (Marines) کے اہلکار تعینات ہیں۔

یہ بات بھی بیان کی گئی ہے کہ اس پیشرفتہ کمانڈ کے لیے کویت کے انتخاب سے عسکری ہم آہنگی کے انتظام اور خلیج کے شمالی محاذ پر پیش رفت کی نگرانی کے لیے ایک اضافی مرکز میسر آسکتا ہے۔ اس سے امریکہ کے لیے یہاں لائی جانے والی افواج کو کنٹرول کرنا اور انہیں ہدایات دینا آسان ہو جائے گا۔

خلیج تعاون کونسل کے ممالک کی مشترکہ عسکری کمانڈ کوئی نیا فوجی ادارہ ہے اور نہ ہی کوئی نئی الگ فوج ہے، کیونکہ یہ 2013ء میں قائم کی گئی تھی اور اس کا مرکزی ہیڈ کوارٹر ریاض میں واقع ہے۔ جیسا کہ ان کا دعویٰ ہے، اس کا مقصد مشترکہ عسکری کارروائیوں میں ہم آہنگی پیدا کرنا اور رکن ریاستوں کی دفاعی صلاحیتوں کو مضبوط بنانا ہے۔ لہٰذا، اس تمام معاملے میں صرف کویت کو مشترکہ عسکری سرگرمیوں کا مرکز منتخب کرنے کا فیصلہ ہی نیا ہے، لیکن بہرحال یہ اقدام کسی مشترکہ خلیجی فوج کے قیام کے برابر ہرگز نہیں ہے۔

یہ فیصلہ ایران کے خلاف جنگ کے اثرات اور اس کے بعد خطے کی ریاستوں پر علاقائی کشیدگی کے اضافے کے تناظر میں سامنے آیا ہے، جس کے لیے ان کشیدگیوں سے ہم آہنگ ایک نئی عسکری پیشرفت کی ضرورت تھی۔ خلیج تعاون کونسل کے ممالک کا یہ نیا دفاعی کردار بنیادی طور پر امریکہ کی اس حکمتِ عملی کا نتیجہ ہے جس کے تحت وہ اپنی نگرانی میں خطے کے ممالک کو سیکیورٹی کا کردار سونپ رہا ہے، تاکہ اپنی افواج پر بوجھ کم کر سکے اور اپنی وزارتِ جنگ کے بجٹ کے اخراجات میں کمی لاسکے۔

اس طرح کویت میں اس مشترکہ کمانڈ کو بنانے کی بنیادی وجہ اسے امریکی فوج کے قریب رکھنا ہے، کیونکہ کویت میں امریکہ کی سب سے بڑی زمینی فوج موجود ہے۔ اس کے علاوہ تمام خلیجی ریاستوں کے ساتھ امریکہ کی عسکری موجودگی کی ایک طویل تاریخ ہے، جس میں ان تمام ممالک میں امریکی فوجی اڈے شامل ہیں۔

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ کویت میں امریکی فوجی اڈا نہ صرف امریکی پیادہ اور زمینی افواج کا سب سے بڑا مرکز ہے، بلکہ وہ جدید ترین نگرانی اور پیشگی اطلاع دینے کے ذرائع (Early Warning Systems) کا بھی حامل ہے۔ یہ بات اس امر سے پوری طرح مطابقت رکھتی ہے کہ وہاں خلیجی زمینی افواج بھیجی جائیں تاکہ وہ براہِ راست امریکہ کی نگرانی میں کام کر سکیں۔

یہ حقیقت بھی واضح ہے کہ خلیج تعاون کونسل کی تمام چھ چھوٹی ریاستیں—بحرین، کویت، عمان، قطر، سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات—امریکہ کی سینٹرل کمانڈ (US Central Command) کے زیرِ انتظام کام کرتی ہیں۔

پس اس اقدام کے اصل محرکات امریکہ کی اس نئی حکمتِ عملی کے تقاضوں سے مکمل ہم آہنگ ہونا ہے، جس کی رو سے اپنی سرپرستی میں خطے کی سیکیورٹی کے اخراجات اور بوجھ میں علاقائی ممالک کو بھی شریک کیا جانا ہے۔

جہاں تک مقاصد کا تعلق ہے، تو وہ خلیجی ریاستوں پر امریکہ کی عسکری گرفت کو مضبوط بنانا اور انہیں دیگر حریف عالمی طاقتوں کے قریب جانے سے روکنا ہے، کیونکہ خلیج کی تیل کی پیداوار اور عظیم الشان اسٹریٹجک اہمیت ایسی ہے جس سے امریکہ کسی صورت دستبردار نہیں ہو سکتا۔

جہاں تک اس کمانڈ کے قیام کے متوقع نتائج کا تعلق ہے، تو وہ یقیناً انتہائی معمولی اور بے اثر ہوں گے؛ کیونکہ ان ممالک کے پاس جنگ لڑنے کے لیے کوئی حقیقی افواج موجود نہیں ہیں۔ یہ ریاستیں محض نوآبادیاتی سرپرستی کی مرہونِ منت ہیں اور ان کی فوجیں چھوٹی اور کرائے کے اہلکاروں پر مشتمل ہیں، اس لیے وہ خود اپنا دفاع کرنے کے بھی اہل نہیں ہیں۔

ان مصنوعی طور پر قائم کی گئی چھوٹی ریاستوں کا حتمی اور بنیادی حل یہ ہے کہ انہیں ختم کیا جائے اور ریاستِ خلافت کے جسم میں ضم کر دیا جائے۔

امریکہ کے تسلط کو مسترد کرو اور اپنے کٹھ پتلی حکمرانوں کو مسترد کرو

اور اے پاکستان کے عوام! خلافت کے قیام کے لیے اٹھ کھڑے ہو

اے پاکستان کی مسلح افواج: پاکستان اور افغانستان کے سرحدی علاقوں میں جنگی ماحول پیدا کرنا اور مسلمانوں کا ایک دوسرے سے قتال کرنا اسلام میں حرام ہے۔ کیونکہ ایک مسلمان کا خون دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔ مسلمانوں کا باہمی قتال ان کی قوت کو کمزور کرتا ہے اور دشمن ریاستوں کو مسلمانوں کے علاقوں میں اپنے اثر ورسوخ کو مضبوط کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کا ارشاد ہے:

﴿وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ﴾ (اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور باہم مت تنازع کرو ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی) (سورۃ الأنفال:46)

کیا ہم براہ راست یہ نہیں دیکھ رہے کہ ہمارا باہمی قتال کس طرح ہماری طاقت کو کمزور کر رہا ہے؟ اور اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِناً مُتَعَمِّداً فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِداً فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَاباً عَظِيماً﴾ (اور جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی جزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اللہ اس پر غضبناک ہوا اور اس پر لعنت کی اور اس کے لیے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے) (سورۃ النساء:93)

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(« كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ »)

(ہر مسلمان کا دوسرے مسلمان پر خون، مال اور آبرو حرام ہے)۔

قبائل، مسلح افواج اور تمام امت پر لازم ہے کہ وہ اپنے درمیان اس قتال کو بند کریں، اور اس کے ذمہ دار حکام کو ان کے عہدوں سے ہٹائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(« انْصُرْ أَخَاكَ ظَالِماً أَوْ مَظْلُوماً »، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، هَذَا نَنْصُرُهُ مَظْلُوماً فَكَيْفَ نَنْصُرُهُ ظَالِماً؟ قَالَ ﷺ: « تَأْخُذُ فَوْقَ يَدَيْهِ »)

(« اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم »، صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم مظلوم کی تو مدد کرتے ہیں، ظالم کی مدد کیسے کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: « تم اس کے ہاتھ پکڑ لو (اسے ظلم سے روک دو) »)۔

حزب التحریر آپ کو اسلام کے مکمل نفاذ، مسلمانوں کے درمیان اتحاد و اخوت، اور خلافت کے قیام کی دعوت دیتا ہے، اور خلافت فرض ہے۔ اور ان شاء اللہ یہ پاکستان میں قائم ہو گی، اور مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک پھیلے ہوئے علاقوں کو متحد کرے گی۔ ہم آپ کو دعوت دیتے ہیں کہ نبوت کے نقشِ قدم پر خلافتِ راشدہ کے قیام کے لیے حزب التحریر کو اپنی نصرت فراہم کریں۔ حزب التحریر امتِ مسلمہ کا سب سے بڑا سیاسی بلاک ہے، اور وہ 73 سالوں سے امت میں کام کر رہا ہے۔

امریکی مڈٹرم انتخابات کے نتائج کا تجزیہ

تحریر: استاد مناجی محمد

(ترجمہ)

امریکی مڈٹرم انتخابات کے نتائج کے نتیجے میں ڈیموکریٹس نے ایوانِ نمائندگان اور سینٹ دونوں میں شاندار کامیابی حاصل کی ہے۔ اس طرح انہوں نے صدر ٹرمپ کی بقایا مدتِ صدارت کے لیے کانگریس میں اکثریت پر قبضہ کر لیا ہے۔ سیاسی منظرنامے میں یہ بڑی تبدیلی ٹرمپ اور ان کی ریپبلکن پارٹی کے لیے ایک بڑا دھچکا ہے۔ ٹرمپ نے تسلیم کیا کہ ایران کی جنگ اور زندگی کے اخراجات میں اضافے نے ان کی پارٹی کے متعدد امیدواروں کی شکست میں کردار ادا کیا۔ ان کے نائب جے ڈی وینس نے کہا: "ہماری شکست کی وجہ جنگ ہے"۔ اس شکست کی وضاحت امریکی سرمایہ داریت کے ایک بڑے حصے کی ان کوششوں میں ملتی ہے جن کا مقصد سفارتی، اسٹریٹجک اور معاشی نقصانات کو کم کرنا ہے، جو ٹرمپ اور ان کی پارٹی نے پیدا کیے تھے۔ سرمایہ داریت کے کچھ طبقوں نے سرمایہ دارانہ مفادات کی خاطر ٹرمپ انتظامیہ کے سائز کو محدود کرنے کا طریقہ تلاش کرنا شروع کر دیا ہے، کیونکہ ٹرمپ کی پالیسیوں کی لاگت اور خطرات بہت بڑھ چکے تھے۔ ٹیکنالوجی، صنعتوں، کمپنیوں اور سرحد پار تجارت کے سرمایہ دار طبقے ٹرمپ کی کسٹم ڈیوٹیوں، توانائی کی قیمتوں اور ایران جنگ کے نتیجے میں سپلائی چین کی معطلی سے شدید متاثر ہوئے تھے۔ اسی طرح مالیاتی سرمایہ داریت (Financial Capitalism) بھی مارکیٹوں کے عدم استحکام، سمیٹے گئے منافع کے مواقع کم ہونے اور مالیاتی، زری اور تجارتی پالیسیوں کی پیشگوئی نہ ہو سکنے کے باعث متاثر ہوئی تھی۔

اس بحران زدہ سرمایہ دارانہ صورتِ حال نے ٹرمپ کی پالیسیوں کے خطرات کو روکنے کے لیے ایک نیا سیاسی دھڑا بنانے کی راہ ہموار کی۔ اس کا مقصد ایوانِ نمائندگان اور سینٹ میں ڈیموکریٹس کی اکثریت کو ٹرمپ انتظامیہ کی رفتار روکنے کے لیے استعمال کرنا تھا۔ اس طرح اداروں کی مزاحمت کے بغیر انتظامیہ کے ذریعے غیر مستحکم تجارتی، مالیاتی اور تنظیمی پالیسیاں منظور کروانے کی صلاحیت کو کم کرنا تھا۔ چنانچہ ڈیموکریٹک اکثریت کا بنیادی کردار ٹرمپ انتظامیہ کی لگام پکڑنا اور ان کی سیاسی جارحیت کو مفلوج کرنا ہے؛ اور یہ کام ان کے ایجنڈے کو معطل کر کے، ان کی انتظامیہ کی تحقیقات کر کے، اور ان کی بقایا مدتِ صدارت پر سیاسی و قانونی پابندیاں عائد کر کے کیا جائے گا۔

سرمایہ داریت بہر حال سرمایہ داریت ہی رہتی ہے، اور اس کی زہریلی استعماری پالیسیاں اور بین الاقوامی جرائم قائم رہتے ہیں، چاہے وہ کتنا ہی بھیس کیوں نہ بدل لے۔ امریکی نظام ایک خالص سرمایہ دارانہ نظام ہے، جہاں انتخابات، اداروں (ایوانِ نمائندگان اور سینٹ) اور صدارت کی تشکیل میں سیاسی پیسہ ہی سب کچھ ہوتا ہے۔ امریکی سیاست میں اخراجات کی نگرانی کرنے والی تنظیم "اوپن سیکیورٹس" کے مطابق، 2026ء کے مڈٹرم انتخابات میں کل اخراجات ریکاڈر 11.9 ارب ڈالر تک پہنچ گئے، جو 2022ء میں خرچ ہونے والے 8.9 ارب ڈالر سے کہیں زیادہ ہیں۔ ان انتخابات کا سرمایہ دارانہ پس منظر ٹرمپ انتظامیہ سے منسلک کچھ سرمایہ داروں کے اثر و رسوخ میں کمی کی صورت میں سامنے آیا ہے، کیونکہ نتائج خریدنے میں ان کے سیاسی پیسے کی حد کھل کر سامنے آ گئی۔ مثال کے طور پر، غائبانہ طور پر غزہ کی نسل کشی کے امریکی عوام پر تباہ کن اثرات کے بعد، کچھ پریشر گروپس — خصوصاً "ایپک" (AIPAC) جو کہ یہودی وجود کی حمایت کرنے والی صیہونی لابی ہے — کی غیر معمولی حیثیت میں کمی آئی۔ اس کے ساتھ ساتھ ایران کے خلاف ٹرمپ کی جنگ سے پیدا ہونے والے اسٹریٹجک اور مالیاتی نقصان نے بھی اثر ڈالا۔ لیکن یہ کمی دوسرے سرمایہ داروں اور ان کے پریشر گروپس کے فائدے میں جاتی ہے تاکہ ان کے اپنے سرمایہ دارانہ مفادات پورے ہو سکیں، نا کہ امریکی مجرمانہ سرمایہ دارانہ پالیسی میں کسی تبدیلی کے لیے۔

اور امریکی سیاسی پیسے کا یہ پھیلاؤ کرپٹو کرنسی، ٹیکنالوجی اور ان سے منسلک بڑے معاشی مفادات کے حامی گروہوں کے جدید طریقوں سے ہوا ہے۔ نیز ٹرمپ کی پالیسیوں سے متاثر ہونے والے امریکی سرمایہ داریت کے طبقات آج ڈیموکریٹک پارٹی میں سرمایہ کاری کر رہے ہیں۔ سیاسی، اسٹریٹجک اور معاشی طور پر ٹرمپ کی ناکامی امریکہ کی سیاست کی از سرِ نو ترتیب اور ڈیموکریٹک اکثریت سامنے لانے میں ایک مددگار عنصر ثابت ہوئی۔ پس ٹرمپ کی بے ہنگم پالیسیوں کی بھاری سرمایہ دارانہ قیمت ہی ان کی اور ان کی پارٹی کی عبرتناک شکست کا بنیادی سبب بنی۔ اس انتخاب کی دوسری اہم خصوصیت ڈیموکریٹک پارٹی کی جانب سے ان اقلیتی النسل گروہوں (Ethnic Minorities) کا وسیع استعمال تھا جو تارکینِ وطن کے خلاف ٹرمپ کی پالیسیوں سے متاثر ہوئے تھے۔ مڈٹرم انتخابات نے غیر معلنہ پابندیوں کو توڑتے ہوئے پہلی بار ان اقلیتوں کے نمائندوں کے لیے سیاسی عہدے حاصل کرنے کی راہ ہموار کی ہے۔ ڈیموکریٹک پارٹی اس سیاسی استعمال کے ذریعے تارکینِ وطن میں سرمایہ کاری کر کے اور ٹرمپ پالیسیوں سے متاثرہ چھوٹی اقلیتوں کو اپنے اندر جذب کر کے اپنے انتخابی ووٹ بینک کی از سرِ نو تعمیر کرنا چاہتی ہے۔

اس سیاسی استعمال کا سب سے خطرناک اور مکارانہ پہلو مسلم کمیونٹی کا استعمال ہے، تاکہ امریکی سرمایہ داریت اور اسلامی دنیا میں اس کی مجرمانہ پالیسیوں کے مفادات کی خدمت کی جاسکے۔ اسلام کے نام لیوا کچھ لوگوں کو سیاسی طور پر اپنے اندر جذب کرنے کی اس امریکی سازش کی ایک چال یہ ہے کہ اسلامی ممالک میں امریکہ کی مجرمانہ پالیسیوں کے خلاف اندرون اور بیرونِ ملک مسلمانوں کے ردِ عمل کو محدود کیا جائے اور اس سے پیدا ہونے والے غصے کو ٹھنڈا کیا جائے۔ چنانچہ امریکہ کے اندر، تارکینِ وطن مسلمانوں کے نمائندوں کے طور پر اسلام سے منسوب افراد کو استعمال کیا جارہا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ غزہ کی نسل کشی اور ایران پر ظالمانہ حملے کے خلاف شدید غصے کو اداروں سے باہر احتجاج کی شکل میں سامنے آنے سے روکا جائے، کیونکہ یہ عوام کی رائے کے لیے شدید خطرہ تھا (یاد رہے کہ غزہ کی نسل کشی کے بعد امریکی یونیورسٹیوں کے اندر مسلمانوں نے جس تحریک کی قیادت کی، وہ ایک تہذیبی دھماکہ تھی جس نے امریکہ کو ہلا کر رکھ دیا تھا اور اس کی سرمایہ داریت کی نیندیں حرام کر دی تھیں)۔ اب اس غصے کو پارٹی کے اندرونی مباحثے میں تبدیل کیا جارہا ہے، جہاں اسے قابو میں رکھنا، اس کی شدت کو کم کرنا اور اس کی حد مقرر کرنا آسان ہے۔

اسی طرح مسلمانوں کے خطے میں امریکی مجرمانہ پالیسی کے خلاف ان کے غصے اور احتجاج کو محض حکمران پارٹی کے خلاف احتجاج کا رخ دے دیا گیا ہے۔ مسلمانوں کے مسائل، ان کی امت اور ان کے اسلام کے خلاف امریکہ کے مظالم کو محض ایک انتخابی معرکہ اور امریکی حزبی کشمکش بنا کر پیش کیا جارہا ہے، گویا سارا مسئلہ صرف حکمران پارٹی کا تھا، نہ کہ امریکہ کے ظالمانہ اسٹریٹجک فیصلوں کا! مزید برآں، یہ سیاسی شمولیت فیصلہ سازی میں شریک ہونے کا ایک جھوٹا احساس پیدا کرتی ہے، حالانکہ حقیقت میں یہ محض سیاسی استعمال اور مجرمانہ سرمایہ دار طبقے کے مفادات کی خدمت سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ اس سیاسی شمولیت کا سب سے خطرناک پہلو یہ ہے کہ یہ امریکی سرمایہ داریت کی پابندیوں سے آزاد کسی سیاسی قوت کو ابھرنے نہیں دیتی، اور نہ ہی مسلمانوں کو کسی ایسے اصولی اسلامی سیاسی کام میں شامل ہونے دیتی ہے جو مغرب سے مکمل آزادی کی امت کے بنیادی مقصد کے کام آسکے۔

چنانچہ زہران ممدانی، الہان عمر، عبد الرحمن السید، رشیدہ طلیب، آدم حموی اور عبیر قواس جیسے لوگ — جنہیں مغرب کی طرف سے سیاسی کامیابی کے طور پر پیش کیا جاتا ہے اور جنہیں کچھ ایسے مسلمان اپنے اصولوں اور عقل کو جذبات کی بھیٹ چڑھا کر مسلمانوں اور ان کے مسائل کی فتح قرار دیتے ہیں — اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ یہ لوگ امریکی سرمایہ دارانہ علمانیت (Secularism) کے دلدل میں کچھ نام نہاد مسلمانوں کی شکست اور زوال کی عکاسی کرتے ہیں۔ یہ علمانیت انہیں شکست خوردہ امریکی سیاسی منظرنامے کو سہارا دینے کے لیے سستے آلات کے طور پر استعمال کرتی ہے، تاکہ

امریکی مجرمانہ پالیسی کی خدمت کے لیے مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد کا رخ موڑا جاسکے۔ یہ افراد مغربی علمانیت کے تیزاب میں مسلمانوں کو تحلیل کرنے کا نمونہ ہیں، جو امریکی سیاست میں شامل ہو کر ان کے ثقافتی اور تہذیبی بگاڑ کو تیز کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان میں سے مسخ شدہ لوگ خود مغربی علمان پسندوں سے زیادہ منحرف علمانیت کے حامی بن جاتے ہیں، اور علمانیت کے بدترین اخلاقی زوال میں شامل ہو کر ہم جنس پرستی کے میلوں اور قومِ لوط کے مظاہروں میں شرکت کرتے ہیں، تاکہ اسلام سے بیزاری اور امریکی علمانیت کے دلدل میں مکمل غرق ہونے اور اس کی مجرمانہ سرمایہ دارانہ پالیسیوں کی خدمت کی اپنی مکمل اہلیت ثابت کر سکیں۔

علاوہ ازیں، امریکی سیاسی منظر نامے کو دوبارہ سنوارنے کے لیے وہ امریکی سرمایہ داریت کی ایک خالص ضرورت ہیں، اور اس سے بھی بدتر بات یہ ہے کہ انہیں مسلمانوں کے جذبۂ جدوجہد کو محدود کرنے اور خاص طور پر تارکینِ وطن مسلمانوں کو اپنی امت کے مسائل اپنانے اور مغربی مجرمانہ پالیسیوں سے امتِ مسلمہ کو آزاد کروانے کی اصولی سیاسی جدوجہد سے روکنے کے لیے آلے کے طور پر استعمال کیا جارہا ہے۔ چنانچہ امریکی انتخابی نتائج میں یہ مسلسل تبدیلیاں امریکہ اور مغرب میں مزمن سیاسی بحران کی عکاسی کرتی ہیں، جو بالآخر مخالفین کو ووٹ دینے پر ختم ہوتی ہیں تاکہ مغربی تہذیبی و ثقافتی نظام کے بحران کو ٹالا جاسکے، سیاسی دیوالیہ پن کو چھپایا جاسکے اور عوامی غصے کو ٹھنڈا کیا جاسکے۔ اسی طرح اقلیتوں، بشمول مسلم کمیونٹی، کا استعمال اسی بحران کو نبٹانے، امریکہ کے بوسیدہ سیاسی منظر نامے کو سلیقہ دینے، اور اندرون و بیرونِ ملک سرمایہ داریت کے جرائم کے خلاف تارکینِ وطن مسلمانوں کے جذبۂ مزاحمت کو ناکام بنانے کے لیے ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام بحران پیدا کر رہا ہے اور اسلام کے نظام کے سوا کوئی راستہ نہیں

تحریر: استاد یعقوب ابراہیم–ولایہ سوڈان

(ترجمہ)

کئی یورپی ممالک میں احتجاج کی شدید لہریں دیکھی گئیں جن کی شروعات فرانس سے ہوئی۔ جہاں پیرس کی ضاحیہ کریٹائی کے ایک ہائی اسکول کے طلبہ کی طرف سے اساتذہ کی کمی کے خلاف کیے جانے والے ایک چھوٹے سے مظاہرے کے بعد، پیرس میں 8 لاکھ (800,000) سے زائد افراد کی شرکت کے ساتھ وسیع پیمانے پر احتجاج دیکھا گیا۔ پھر یہ لہر پھیل گئی اور فرانس کے تمام شہروں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

اور یہ مظاہرے تیزی سے بیلجیم، اٹلی، پرتگال، اسپین، یونان، آسٹریا اور البانیا تک منتقل ہو گئے۔ اور یورپ کے اکثریتی ممالک میں اجتماع کی کالز اب بھی مسلسل جاری ہیں۔ اور جرمن اخبار "ڈوئچے ویلے" کی ویب سائٹ کی 21/10/2026ء کی ایک تفصیلی رپورٹ کے مطابق، جرمنی، ہالینڈ، سربیا، آئرلینڈ اور دیگر یورپی ممالک میں بھی احتجاج کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں!

آخر یورپی عوام اپنے اس نظام کے خلاف کیوں چیخ اٹھے، جس پر وہ فخر کرتے ہیں اور اس سے محبت کرتے ہیں، حتیٰ کہ انہوں نے یہ کہہ کہہ کر سر درد کر دیا ہے کہ یہ انسان کا دریافت کردہ بہترین نظام ہے، بلکہ ان کے حکمران مسلسل محنت کے ساتھ اسے نافذ کرنے میں شب و روز لگے رہتے ہیں؟

ان تمام یورپی ممالک میں ان مظاہروں کا سبب زندگی کے اخراجات میں اضافہ، تعلیمی فیسوں میں اضافہ، اور اس کے ساتھ ساتھ تعلیم کی ابتر ہوتی صورتحال ہے۔ اور ان تمام ممالک میں مظاہرین نے ان مسائل کی شکایت کی ہے، اور ساتھ ہی رہائشی مارکیٹ میں بڑھتے ہوئے بحران کی بھی، کیونکہ اب بہت سے لوگوں کے لیے بڑھتے ہوئے کرایوں کی ادائیگی اور دیگر فوری مطالبات کو برداشت کرنا ممکن نہیں رہا۔ خلاصہ یہ کہ یورپی عوام کو ان بنیادی ضروریات کی فراہمی سے محروم کر دیا گیا ہے جو انسان کو زندہ رکھتی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ سرمایہ دارانہ معاشی نظام اپنے اندر سنگین غلطیاں اور شدید عیوب رکھتا ہے، جنہوں نے سیاست دانوں کو سرمایہ داریت پر خطرے کے سائرن بجانے پر مجبور کر دیا ہے۔ تاہم، یہ نظام اپنی بنیاد ہی سے ناکام ہے، اس لیے اس کی کوئی پیوند کاری کام نہیں دے سکتی، اگرچہ وہ اسے کچھ وقت کے لیے برقرار ہی کیوں نہ رکھے۔

سرمایہ دارانہ آئیڈیالوجی میں سب سے بری چیز اس کا معاشی نظام ہے۔ کیونکہ یہ نظام نجی ملکیت پر قائم ہے۔ سرمایہ داروں کا ماننا ہے کہ دنیا میں دولت افراد کی نجی ملکیت ہے، لہٰذا ریاست کی ملکیت اور عوامی ملکیت کا کوئی وجود نہیں۔ اور یہاں انہوں نے عام مفادات کے لیے معاشرے کی ضرورت کو سمجھنے میں غلطی کی، جیسے صحت، امن، اور تعلیم جس کے لیے یورپ میں اسکولوں اور یونیورسٹیوں کے طلبہ نے احتجاج کیا۔ اور وہ یہ نہ جان سکے کہ ان مفادات کی بہترین خدمت عوامی ملکیت کی دولت کرتی ہے، جیسے معدنیات، تیل و گیس کے وسائل، اور دیگر چیزیں... چنانچہ یہ عقلمندی نہیں کہ ان وسائل کو چند افراد کے سپرد کر دیا جائے کہ وہ ان پر قبضہ کر لیں اور دوسروں کو قیمت ادا کیے بغیر ان سے فائدہ اٹھانے سے روک دیں!

پس دولت کی نوعیت کے لحاظ سے ملکیت کا ایک دائرہ کار ہوتا ہے، اس طرح کہ افراد کو ان کی ضرورت کی اشیاء کا مالک بننے کی اجازت دی جائے، اور عوام کو ان وسائل میں شریک کیا جائے جن کی نوعیت ہی ایسی ہے کہ وہ سب کے لیے ہیں؛ جیسے جنگلات اور پانی کے ذرائع۔ اور اسی طرح ریاست کو بھی اس بات کی اجازت دی جائے کہ وہ ان چیزوں کی مالک بن سکے جو اسے لوگوں کے امور کی دیکھ بھال کی ذمہ داری نبھانے کے قابل بنائیں۔ اور جب سرمایہ داروں نے ملکیت کی حد بندی کرنے میں غلطی کی، اور اس زاویے سے بات پر غور نہ کیا، تو حکمران اپنے عوام کو معزز زندگی فراہم کرنے میں ناکام ہو گئے، چنانچہ فقر، محتاجی اور ضروریات پورا کرنے میں عاجزی ظاہر ہوئی، اور ریاست کی دولت کی تقسیم میں توازن قائم کرنے کی صلاحیتیں مفلوج ہو کر رہ گئیں۔ پس یہ بالکل فطری بات ہے کہ لوگ سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں، اور میں اس بات کو بعید نہیں سمجھتا کہ پوری دنیا اس نظام کے خلاف بغاوت کر دے جو آج دنیا پر مسلط ہے۔

سرمایہ دارانہ معاشی نظام میں ملکیت کے اعتبار سے دولت کی درجہ بندی میں کی جانے والی بڑی غلطی نے عوام کے ایک بڑے طبقے کو اس دولت سے فائدہ اٹھانے سے محروم کر دیا ہے، جس کے نتیجے میں اسے نافذ کرنے والے ممالک میں فقر پھیل گیا۔ حتیٰ کہ امریکہ میں فقر ایک وبائی سطح کا مسئلہ بن چکا ہے، جو کہ دنیا کی پہلی ریاست اور سرمایہ دارانہ نظام کا علمبردار ہے۔ امریکی مردم شماری بیورو (US Census Bureau) کے 15/09/2026ء کو جاری کردہ اعداد و شمار

کے مطابق، خطِ فقر (Poverty line) سے نیچے زندگی بسر کرنے والے افراد کی تعداد تقریباً 34.5 ملین (3 کروڑ 45 لاکھ) ہے۔

اور دنیا میں بھوک سے متعلق اقوام متحدہ کے اعداد و شمار انتہائی حیران کن ہیں، اعداد و شمار صدمہ دینے والے اور خوفناک ہیں، اور بین الاقوامی تنظیموں کی تفصیل کے مطابق مسئلے کا حجم تباہ کن دکھائی دیتا ہے۔ چنانچہ عالمی ادارہ صحت (WHO) کی ویب سائٹ پر جولائی 2026ء میں شائع ہونے والی ایک رپورٹ میں زرعی ترقی کے بین الاقوامی فنڈ (IFAD) کے سربراہ الفارو لاریو (Álvaro Lario) نے کہا: "(رپورٹ ہمیں بتاتی ہے کہ صحت بخش غذائی پیٹرن کی لاگت مسلسل بڑھ رہی ہے اور تقریباً 2.7 ارب افراد شاید اب بھی اس کے اخراجات برداشت کرنے سے قاصر ہیں۔ اور یہ کہ تقریباً 2.1 ارب افراد درمیانے یا شدید درجے کی غذائی غیر یقینی صورتحال کا شکار ہیں)"۔

مزید برآں، سرمایہ داروں نے انسان کی ضروریات کی درجہ بندی کی اور کہا کہ اس کی ضروریات صرف مادی ہیں، بلکہ وہ ان کا احاطہ کرنے میں بھی ناکام رہے، جبکہ ان کی تسکین کے وسائل (اشیاء اور خدمات) قلیل اور محدود ہیں۔ اس غلط نقطہ نظر نے انہیں صرف دولت کو بڑھانے میں مشغول کر دیا، اور ہر فرد کو اپنی مہارتوں اور قوتِ خرید کا استعمال کرنے پر چھوڑ دیا گیا، اور انہیں فرد کی صلاحیت یا عاجزی سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ کیونکہ سرمایہ دار افراد کی عاجزی اور عدم صلاحیت کو ایسا مسئلہ ہی نہیں سمجھتا جو تحقیق کا مستحق ہو، لہٰذا وہ اسے کوئی اہمیت نہیں دیتا اور نہ ہی اس کے حل کے بارے میں سوچنے میں کوئی دلچسپی رکھتا ہے، یہی وجہ ہے کہ یورپ میں حالات دھماکہ خیز ہو گئے۔

اور سرمایہ دارانہ نظام کی سب سے سنگین غلطیوں میں سے ایک ان کا یہ دعویٰ ہے کہ تمام ضروریات کو پورا کرنے کے لیے وسائل ناکافی ہیں، حالانکہ یہ بات انسانی فطرت کے منافی ہے۔ کیونکہ انسان کے بقا کے لیے جن ضروریات کی تسکین درکار ہے وہ محدود ہیں، اور وہ ہیں: خوراک، لباس، مکان، علاج، تعلیم اور سیکیورٹی، اور ان کے علاوہ دیگر اشیاء آسائشات (Luxuries) میں شمار ہوتی ہیں۔ اور دنیا میں موجود اشیاء اور خدمات ان ضروریات کو پورا کرنے کے لیے کافی ہیں۔ پس یہ بنیادی ضروریات کے معاملے کا ایک غلط جائزہ ہے، اور اس کا حل ضروریات کی حقیقت کو سمجھنا ہے، اور بنیادی ضروریات اور آسائشی ضروریات کے درمیان فرق کرنا واجب ہے تاکہ اس مسئلے کو سمجھنا آسان ہو جائے جس کا علاج مطلوب ہے، لیکن سرمایہ دار سمجھتے نہیں۔

جہاں تک سرمایہ دارانہ نظام میں سب سے بڑی افتاد کا تعلق ہے، تو وہ قیمت کا میکانزم (Price mechanism) ہے، کیونکہ انہوں نے اسے ہی لوگوں میں دولت کی تقسیم کو منظم کرنے والا بنا دیا ہے۔ اور اس طرح سرمایہ داریت نے یہ طے کر دیا ہے کہ انسان اپنی ضروریات صرف اسی حد تک پورا کرنے پر قادر ہو گا جس حد تک اس کے پاس مال موجود ہو۔ پس اگر اس کی آمدنی محدود ہے تو وہ محدود اشیاء اور خدمات کا مالک بنے گا، اور اگر اس کے پاس سرے سے کچھ نہیں ہے اور وہ پیداوار کی صلاحیت نہیں رکھتا تو اس کے لیے قبر کے سوا کوئی جگہ نہیں!

پھر یہ کہ سرمایہ دار ان نعمتوں سے غافل ہیں جو اللہ نے اپنی مخلوق پر نازل کی ہیں، چنانچہ انہوں نے نسبتی قلیت کا نظریہ دیا۔ جبکہ اسلام اس کے بالکل برعکس پر مبنی ہے، وہ وسائل کی فراوانی کی تائید کرتا ہے، کیونکہ دنیا میں بنیادی وسائل نایاب یا کم نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿**هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعاً**﴾ "وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین میں موجود تمام چیزوں کو پیدا کیا۔" (سورۃ البقرۃ: آیت 29)۔ اور فرمایا: ﴿**وَالأَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ**﴾ "اور اس نے مویشیوں کو تمہارے لیے پیدا کیا، ان میں تمہارے لیے جاڑے کا سامان (لباس) اور بہت سے فائدے ہیں اور ان میں سے تم کھاتے ہو۔" (سورۃ النحل: آیت 5)۔ ﴿**وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِن فَوْقِهَا وَبَارَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءً لِّلسَّائِلِينَ**﴾ "اور اس نے زمین کے اوپر برپا کیے ہوئے پہاڑ بنا دیے اور اس میں برکت رکھی اور چار دنوں میں مانگنے والوں کے لیے اس کے اندر ان کی خوراک کا اندازہ مقرر کر دیا۔" (سورۃ فصلت: آیت 10)

اور ان نعمتوں کو سمجھنے میں غلطی کے نتیجے میں وہ قارون کی طرح ہو گئے ہیں جو دولت ختم ہو جانے کے خوف سے اسے جمع سے جمع تر کرتے چلے جاتے ہیں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ خلافت کی ریاست کے ذریعے انہیں زمین میں دھنسا دے گا، ان شاء اللہ۔

اسلام ایک ایسا نظام لے کر آیا ہے جو لوگوں کو اپنی بنیادی ضروریات پوری کرنے کے لیے دولت کی ملکیت کا حق دیتا ہے، اور جو شخص ان ضروریات کو پورا نہ کر سکے اسے فقیر قرار دیتا ہے۔ پس اسلام نے فقر (غربت) کو ایک ایسا دشمن بنایا ہے جس کے مسلم معاشرے میں وجود کی اجازت نہیں ہے، چنانچہ اس کے لیے ایسے احکام وضع کیے جو اسے مکمل طور پر ختم کر دیتے ہیں، بلکہ اس کا تعلق ایمان کے ساتھ جوڑا: «**مَا آمَنَ بِي مَنْ بَاتَ شَبْعَانَ وَجَارُهُ جَائِعٌ إِلَى جَنْبِهِ وَهُوَ يَعْلَمُ بِهِ**» "وہ شخص مجھ پر ایمان نہیں لایا جو خود پیٹ بھر کر سوئے اور اس کا پہلو میں رہنے والا پڑوسی بھوکا ہو اور وہ اس کے بارے میں جانتا ہو۔"

اور اس کے علاوہ دیگر ایسے احکام ہیں جو لوگوں اور دولت کے درمیان تعلق کو منظم کرتے ہیں، لہٰذا عزت کی زندگی حاصل کرنے کے لیے ریاستِ خلافت کے خلاف مظاہرے کرنے کی کوئی گنجائش نہیں بچتی۔

خلاصہ یہ کہ سرمایہ داروں نے ضروریات کے مقابلے میں اشیاء کی نسبتی قلیت کا نظریہ دے کر غلطی کی، اور ملکیت کے اعتبار سے دولت کی درجہ بندی میں غلطی کی، اور اس غلطی میں حد سے بڑھ گئے کہ قیمت کو ہی لوگوں کے درمیان دولت کی تقسیم کا واحد ضامن بنا دیا، جس نے فقر اور محتاجی کو جنم دیا اور لوگوں کو ان غلط افکار کے خلاف نکلنے پر مجبور کیا۔

انسانیت کو اپنے معاشی مسائل کا کوئی علاج نہیں ملے گا، اور نہ ہی لوگ ان غلط افکار کے تسلط سے آزاد ہوں گے، الا یہ کہ مسلمان اپنے عظیم اسلام کے نظام کی طرف، اس کی ریاستِ خلافت کے سایہ تلے، فوری طور پر لوٹ آئیں، تاکہ وہ خود کو آزاد کرا سکیں اور انسانیت کو سرمایہ دارانہ نظام کے شر ور سے نجات دلا سکیں۔

مصری حکومت اور اس کی اسلام کے خلاف جنگ

تحریر: استاد سعید فضل

(ترجمہ)

قاہرہ کی فوجداری عدالت نے یورپ کے 35 اداروں اور 36 افراد کو پانچ سال کے لیے دہشت گرد تنظیموں اور دہشت گردوں کی فہرست میں شامل کر دیا ہے۔ شامل کیے گئے اداروں میں مختلف یورپی ممالک کے متعدد اسلامی ادارے، کونسلیں، جمعیتیں اور تنظیمیں شامل ہیں۔ ان میں کونسل آف یورپی مسلمز اپنی تمام شاخوں کے ساتھ، مسلمز آف فرانس کا ادارہ، برطانیہ کی اسلامک ایسوسی ایشن، سوئٹزرلینڈ کی مسلم ایسوسی ایشن، جرمنی کا اسلامک الائنس، اور سویڈن اور اٹلی کی اسلامک ایسوسی ایشنز کے علاوہ دیگر کئی یورپی تنظیمیں شامل ہیں۔

اس پابندی کے پس منظر، مقاصد اور نتائج کو واضح طور پر سمجھنے کے لیے درج ذیل باتوں کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے:

اول: مصری حکومت کی اسلام اور مسلمانوں سے دشمنی کوئی نیا یا عارضی واقعہ نہیں ہے، بلکہ یہ اس کی فطرت میں شامل ہے۔ 1952ء کے اس انقلاب کے بعد سے، جس کی قیادت امریکہ کے ایجنٹ جمال عبدالناصر نے کی تھی اور انگریزوں کے آخری ایجنٹ شاہ فاروق کا تختہ الٹا تھا، مصری حکومت نے اسلام اور مسلمانوں سے دشمنی کو اپنا بنیادی مقصد بنالیا۔ اس نے مسلمانوں کو اپنا بدترین دشمن سمجھا اور ہر اس شخص کو جیلوں میں ڈالنا، تشدد کا نشانہ بنانا اور قتل کرنا شروع کر دیا جس نے اس کی مخالفت کی یا اللہ کی طرف بلایا۔

دوم: اگرچہ مصری حکومت نے، خاص طور پر سادات کے دور میں، ان لوگوں سے مصالحت کی جنہیں بعض لوگ "اسلام پسند" کہنا پسند کرتے ہیں، اور انہیں رسمی سیاسی منظر نامے میں شامل ہونے دیا، اپوزیشن کی وفد پارٹی کی چھتری تلے اسمبلی میں داخل ہونے کی اجازت دی، اور انہیں سرمایہ کاری اور آزادانہ کام کرنے کا موقع دیا، لیکن اس کے باوجود حکومت ہمیشہ ان سے خوفزدہ رہی۔ حکومت نے انہیں اپنے سخت پہرے میں رکھا تاکہ وہ اس کے خلاف کوئی بغاوت نہ کر سکیں۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ ان کے پاس کوئی اسلامی منصوبہ تھا اور وہ اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق حکومت قائم کرنا چاہتے تھے، بلکہ اس کی اصل وجہ ان کے یورپ، خصوصاً برطانیہ کے ساتھ تعلقات تھے۔ برطانیہ ماضی میں مصر پر قابض رہا تھا اور وہ اپنی پرانی نوآبادیات میں دوبارہ اثر و رسوخ قائم کرنے کا خواہش مند تھا۔

اسی لیے یہ پابندی ان اداروں اور تنظیموں پر بھی عائد کی گئی ہے جو یورپی ممالک کے قوانین کے مطابق کام کرتی ہیں، ان کے تحت کام کرتی ہیں اور ان ممالک کے لیے کوئی خطرہ نہیں بنتی ہیں۔ بلکہ یہ ادارے حکومتوں اور پارلیمانوں میں شرکت کے ذریعے یورپی معاشروں میں گھل مل جانے کی دعوت دیتے ہیں۔ بین المذاہب ہم آہنگی کا ادارہ اس کی ایک مثال ہے، جو اسلام کے دیگر مذاہب کے ساتھ تعلقات کو عام بنانے کے لیے کام کرتا ہے تاکہ تحریف شدہ مذاہب، جیسے کہ یہودیت اور عیسائیت، کے بارے میں مسلمانوں کے نقطہ نظر کو بدلا جاسکے۔

سوم: اگرچہ سادات اور حسنی مبارک اسلام کے سچے اور مخلص خادموں کا تعاقب کرتے تھے اور انہیں جیلوں میں ڈالتے تھے، لیکن اس کے ساتھ ہی وہ ان "اسلام پسندوں" کے ساتھ نرمی برتتے تھے جو حکومت کی طے کردہ حدود میں کام کرنے پر راضی ہو جاتے تھے۔ اسلامی گروہوں کے ساتھ اس مختلف رویے کی اصل وجہ مصری حکومت کی سرپرست، یعنی امریکہ، کا اسلامی گروہوں کے بارے میں تصور اور ان کی وفاداریوں کا فرق تھا۔ جس شخص کی وفاداری اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ ہوتی، اس کے ساتھ کوئی مصالحت نہیں کی جاتی تھی۔ لیکن جو شخص عملیت پسند (pragmatic) ہوتا اور درمیانے راستے یا سمجھوتے قبول کرلیتا، اس کے ساتھ مصالحت کو قبول کرلیا جاتا تھا، خواہ اس کی سیاسی وفاداری یورپ کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو۔ ایسے لوگوں کے ساتھ مقابلہ مفادات اور اثر و رسوخ کی جنگ کے اصولوں پر ہوتا تھا، نہ کہ آئیڈیالوجی کی بنیاد پر۔

چہارم: حسنی مبارک کے خلاف 25 جنوری 2011ء کے انقلاب کے بعد، جب ان عملیت پسند "اسلام پسندوں" نے امریکہ کے ساتھ ایک معاہدہ قبول کیا اور حکومت کو گرنے سے بچانے کے لیے انہیں عارضی طور پر اقتدار سونپا گیا، تو امریکہ نے ان کے بارے میں اپنی پالیسی بدل دی۔ امریکہ نے ان کے ساتھ کسی بھی قسم کی نرمی یا مصالحت نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا، حالانکہ وہ اپنے عملیت پسندانہ رویے پر قائم رہے۔ امریکہ کو اس بات کا پورا یقین ہو گیا تھا کہ وہ ان کی وفاداری حاصل نہیں کر سکتا، اور وہ کسی بھی دوسرے فریق کے مقابلے میں انگریزوں اور یورپیوں کے زیادہ قریب ہیں۔ اس لیے اس نے اپنے ایجنٹ سیسی کو حکم دیا کہ وہ انہیں کچل دے اور ان کی تمام سرگرمیوں پر پابندی لگادے۔ اور بالکل ایسا ہی ہوا؛ اگست 2013ء میں رابعہ اسکوائر کے واقعات کے بعد، جہاں ہزاروں مظاہرین کو شہید کر دیا گیا، ہزاروں لوگوں کو جیلوں میں ڈال دیا گیا اور متعدد افراد کو پھانسیاں دے دی گئیں۔

پنجم: مصری حکومت کے متعدد مخالفین، جن میں زیادہ تر "اسلام پسند" تھے، مصر سے باہر خصوصاً ترکی اور یورپی ممالک میں فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ ترکی نے انہیں اپنے ہاں پناہ دی تاکہ ان پر قابو رکھا جاسکے اور انہیں کنٹرول میں رکھا جاسکے۔ پھر کچھ سالوں بعد، جب مصری حکومت نے مصر کے عوام پر اپنا کنٹرول مضبوط کر لیا، تو سیسی نے ایردگان سے اپوزیشن کی آوازوں کو خاموش کرنے اور ان میں سے کچھ کو اس کے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا، اور بالکل ایسا ہی ہوا۔ ترکی میں اپوزیشن کی آواز بننے والے متعدد ٹی وی چینلز اور ویب سائٹس کو بند کر دیا گیا، اور ایردگان نے متعدد فعال کارکنوں کو مصری حکومت کے حوالے کر دیا۔ اس کے بعد ان میں سے کچھ افراد یورپ چلے گئے، اور یوں ترکی میں مصری حکومت کے مخالف "اسلام پسندوں" کا وجود ختم ہو گیا۔ اس کی وجہ ایردگان کی بے وفائی اور سیسی کے ساتھ اس کی سازش تھی، کیونکہ دونوں کا آقا ایک ہی ہے؛ یعنی امریکہ۔

ششم: مصری حکومت یورپ میں موجود اپنے مخالفین کے تعاقب کا اس طرح مطالبہ نہیں کر سکتی جیسا اس نے ترکی کے ساتھ کیا تھا، کیونکہ یورپ اسلامی ممالک پر قبضے اور اثر و رسوخ کی جنگ میں امریکہ کا حریف ہے۔ لیکن مصری حکومت زیادہ سے زیادہ وہی گندا کھیل کھیل سکتی ہے جو خود مغرب کھیلتا ہے، یعنی دہشت گردی کے خاتمے کے بہانے اپنے مخالفین کا تعاقب کرنا، جس کے تحت ہر مخالف پر الزام لگایا جاسکتا ہے۔ یہ اس بات کی تمہید ہے کہ وہ یورپی ممالک سے اپنے مخالفین کو حوالے کرنے اور ان کے اداروں کو بند کرنے کا مطالبہ کرے۔ اور یقیناً، یورپی ممالک پر امریکہ کے دباؤ کے ذریعے اپوزیشن کے خاتمے کے مراحل مکمل ہو سکتے ہیں، اور امریکہ اور مصر میں اس کے ایجنٹوں کے لیے میدان بالکل صاف ہو سکتا ہے۔

مصری حکومت کی اسلام اور مسلمانوں سے دشمنی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے، اور کوئی یہ گمان نہ کرے کہ یہ دشمنی صرف سیسی اور اس کے چند ساتھیوں تک محدود ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حکومت نے اپنے ساتھ انٹیلی جنس اور جبر و تشدد کے ایسے عناصر کو شامل کر رکھا ہے جو سب کے سب اسلام اور مسلمانوں سے سخت بغض رکھتے ہیں۔ بعض اوقات یہ طے کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ زیادہ دشمنی کس کے اندر ہے؛ غلام کے اندر یا حکم دینے والے کے اندر؟! اور اللہ کے سوا کوئی طاقت اور قوت نہیں۔

مصری حکومت کا خاتمہ بالآخر مصر کے مخلص مسلمانوں کے ہاتھوں طے ہے، خواہ وہ فوج کی صفوں میں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی اولاد ہوں یا عوام اور ان کے علماء میں عز بن عبد السلام کی اولاد ہوں۔ کیونکہ مصر زمین پر اللہ کا مضبوط قلعہ

(کنانہ) ہے، اور یہ ان مخلص لوگوں سے خالی نہیں ہے جو اس پارٹی کے گرد جمع ہونے کا راستہ دیکھ رہے ہیں جس نے اپنے قیام سے لے کر آج تک کوئی تبدیلی نہیں کی، اور جو نہ درمیانے راستوں پر یقین رکھتی ہے اور نہ عملیت پسندی پر۔ وہ پارٹی 'حزب التحریر' ہے، جو ایسی رہنما ہے جو اپنے لوگوں سے کبھی جھوٹ نہیں بولتی۔

ولایہ مصر میں حزب التحریر کے میڈیا آفس کے رکن

تونس کی حکومت طاقت کے ذریعے، تونس میں امریکہ کی فوجی موجودگی کے خلاف مظاہرے کو روک رہی ہے

تونس میں امریکی فوجی توسیع کے اقدامات کے مقابلے میں — جیسے قابس ولایت کے بن گیلوف میں ملٹری ٹریننگ سینٹر کی تجدید، اور بنزرت میں نیول ایکسیلنس سینٹر کے قیام کا منصوبہ، جو تونس میں ایک مکمل امریکی فوجی بنیادی ڈھانچے کے قیام کی جانب اشارہ کرتا ہے — حزب التحریر / ولایت تونس نے تونس کے عوام کو جمعہ 20 نومبر 2026 کو ایک احتجاجی مظاہرے کی دعوت دی۔ اس مظاہرے کا عنوان تھا: "تونس میں امریکی فوجی موجودگی ایک بہت بڑا جرم ہے"۔ اس کا مقصد اس خطرناک موڑ کو مسترد کرنا اور تونس کو افریقہ اور بحیرہ روم میں امریکی فوجی نقل و حرکت کے لیے ایک جدید اڈے میں تبدیل کرنے کا مقابلہ کرنا تھا۔

تاہم تونس کی حکومت نے، امریکی فوجی موجودگی کو ختم کرنے اور 2015 کے سٹریٹجک پارٹنر معاہدے، 2020 کے ملٹری روڈ میپ اور ان تمام انتظامات کو منسوخ کرنے کے بجائے جنہوں نے امریکہ کو تونس میں نفوذ کا موقع دیا، اپنے سیکیورٹی اداروں کو طاقت کے ذریعے اس مظاہرے کو روکنے کے لیے استعمال کیا۔ یہ موقف امریکی اثر و رسوخ کی حفاظت اور اس کے مخالفین پر سختی کرنے میں حکومت کی جانبداری کو ظاہر کرتا ہے، اور خود مختاری (السیادۃ) و خود مختار فیصلے کے ان کے کھوکھلے نعروں کا پردہ چاک کرتا ہے۔

لیکن مظاہرے پر پابندی کے باوجود، امریکہ اور اس کے کٹھ پتلیوں تک یہ پیغام پہنچ گیا کہ تونس کوئی لاوارث سرزمین نہیں ہے، اور اس کی فوج استعماری ریاستوں کے منصوبوں کو نافذ کرنے کا آلہ نہیں ہے۔ فرانسیسی استعمار کو نکال باہر کرنے کے لیے ہمارے آباؤ اجداد نے جس تونس کو اپنے پاک خون سے سیر اتھا، اس کے بیٹے امریکہ کی فوجی توسیع کی ہرگز اجازت نہیں دیں گے، خواہ اس کے لیے انہیں کتنی ہی قربانیاں کیوں نہ دینی پڑیں۔

پس آج واجب یہ ہے کہ غیر ملکی فوجی تسلط کو مسترد کیا جائے، کافر استعمار گر کے اثر و رسوخ سے آزادی حاصل کی جائے، اور اسلامی ریاست یعنی نبوت کے نقشِ قدم پر دوسری خلافتِ راشدہ کے قیام کے لیے کام کیا جائے، جو امت کی بالادستی کی حفاظت کرے گی اور مسلمانوں کے علاقوں کو تسلط اور استعمار سے محفوظ رکھے گی۔

اے افواج! کیا حکمرانوں سے امید چھوڑ دینے کے بعد ہم آپ سے بھی امید چھوڑ دیں؟!

اے مسلمانوں کے لشکرو: مسلمانوں کے اپنے حکمرانوں سے تمام امیدیں ختم ہو جانے کے بعد، کیا اب وہ آپ سے بھی امیدیں ختم کر لیں؟ میانمار میں بدھ مت کے مشرکین آپ کے بھائیوں کو ذبح کر رہے ہیں اور آپ حرکت نہیں کرتے! غاصب یہودی وجود غزہ میں آپ کے بھائیوں کو ذبح کر رہا ہے اور آپ حرکت نہیں کرتے! اور ہندو مشرکین مقبوضہ کشمیر میں مسلمانوں کو ذبح کر رہے ہیں اور آپ حرکت نہیں کرتے!

آپ اب بھی یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ: ہم اپنے حکمرانوں کی اطاعت کرتے ہیں اور ہمارا معاملہ ان کے ہاتھ میں ہے، جبکہ اللہ سبحانہ وتعالی فرماتا ہے:

﴿يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُولُونَ يَا لَيْتَنَا أَطَعْنَا اللَّهَ وَأَطَعْنَا الرَّسُولَا * وَقَالُوا رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاءَنَا فَأَضَلُّونَا السَّبِيلَا﴾ (جس دن ان کے چہرے آگ میں الٹ پلٹ کیے جائیں گے، وہ کہیں گے: اے کاش! ہم نے اللہ کی اطاعت کی ہوتی اور رسول کی اطاعت کی ہوتی * اور کہیں گے: اے ہمارے رب! ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کی اطاعت کی تو انہوں نے ہمیں راستے سے بھٹکا دیا) (سورۃ الأحزاب: 66-67)

اور آپ اب بھی یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ آپ اپنی عسکری قیادت کے سامنے کمزور ہیں، جبکہ اللہ سبحانہ وتعالی فرماتا ہے:

﴿وَإِذْ يَتَحَاجُّونَ فِي النَّارِ فَيَقُولُ الضُّعَفَاءُ لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعاً فَهَلْ أَنْتُمْ مُغْنُونَ عَنَّا نَصِيباً مِنَ النَّارِ * قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُلٌّ فِيهَا إِنَّ اللَّهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ﴾ (اور جب وہ آگ میں ایک دوسرے سے جھگڑیں گے، تو کمزور لوگ تکبر کرنے والوں سے کہیں گے: ہم تمہارے تابع تھے، تو کیا تم ہم سے آگ کا کچھ حصہ ہٹا سکتے ہو؟ * تکبر کرنے والے کہیں گے: ہم سب اس میں ہیں، یقیناً اللہ بندوں کے درمیان فیصلہ کر چکا ہے) (سورۃ غافر: 47-48)

اب وقت آ گیا ہے کہ آپ ان خائن حکمرانوں کو اکھاڑ پھینکیں، اور نبوت کے نقشِ قدم پر دوسری خلافتِ راشدہ کے قیام کے لیے حزب التحریر کو نصرت دیں۔ تاکہ وہ آپ کو مظلوم مسلمانوں کی مدد کے لیے متحرک کرے، ہمارے مقبوضہ علاقوں کو آزاد کرائے، اور دنیا بھر میں خیر و بھلائی پھیلائے۔